33

سچی کہانیاں

حصہ دوم

آیت اللہ شہید استاد مرتضیٰ مطہریؒ

شہید مطہری فاونڈیشن (پاکستان)

www.shahidmutairi.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	سچی کہانیاں جلد دوم
تالیف	شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ
ترجمہ	مقیم حوزہ علمیہ قم (ایران)
ترتیب و تصحیح	قلب علی سیال
کمپوزنگ	الحمد گرافکس لاہور۔فضل عباس سیال
ناشر	شہید مطہری فاؤنڈیشن
تاریخ اشاعت	2014ء
طبع	اوّل
قیمت	

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

LG-3 بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور۔

فون: 0321-4971214/0423-7361214

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

''شہید مطہری فاؤنڈیشن'' دینی مواد کی اشاعت کے سلسلہ میں نیا ادارہ تشکیل دیا گیا ہے۔ادارے کا مطمع نظر عوام کو بہتر اور سستے ترین انداز میں دینی مواد بذریعہ کتب اور انٹرنیٹ فراہم کرنے کا پروگرام ہے۔اللہ تعالیٰ ادارہ ھذا کو اس عظیم کام کی انجام دہی کیلئے بھر پور وسائل عطا فرمائے۔

زیرِ نظر کتاب ''سچی کہانیاں'' شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہریؒ کی سعی جمیل کا نتیجہ ہے۔اس کتاب میں شامل اکثر کہانیاں حدیث کی کتابوں سے لی گئی ہیں اور کہانی کا ہیرو اکثر دینی رہنما کو منتخب کیا گیا ہے لیکن یہ بات ہر ایک کہانی میں نہیں ہے بلکہ علم رجال پر مبنی کتابوں اور بزرگ دینی شخصیتوں کے حالات زندگی پر مشتمل تذکروں کے علاوہ کتب تاریخ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ بلند مرتبہ علماء ودانشمندانِ اسلام سے متعلق ان داستانوں کو بھی اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے جس سے اسلامی معاشرہ کی اصلاح کی جا سکے۔اور جس کو پڑھ کر لوگ اعلیٰ اخلاقی محاسن سے بخوبی واقف ہو سکیں اور عمل کے میدان میں ان چیزوں کی پیروی بھی کرنے لگیں۔اس سلسلے میں بھی کسی قسم کی جانبداری یا تعصب سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ شیعی علماء ورہنماؤں کے علاوہ دیگر اسلامی اور غیر اسلامی اہم شخصیتوں سے متعلق واقعات کو بھی داستان کی صورت میں پیش کیا گیا ہے تاکہ لوگ اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کر سکیں۔

''شہید مطہری فاؤنڈیشن'' کے پلیٹ فارم سے کتابِ ھذا مؤمنین کی خدمتِ اقدس میں پیش کی جا رہی ہے۔ادارہ نے کتاب ھذا کی اشاعت میں پوری توجہ سے کام لیا ہے ،تاہم اس بارے میں آپ کی ہمدردانہ آراء ہمارے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ہمیں توقع ہے کہ حسبِ سابق آپ ہماری اس مفید علمی پیشکش کو بھی قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔والسلام

شہید مطہری فاؤنڈیشن

فہرست مضامین

مقدمہ	10
حاتم کا بیٹا	12
ذہانت کا امتحان	17
جو بیر اور ذلفا	18
ایک نصیحت	24
اچانک ارادہ میں تبدیلی	25
بابرکت پیسے	28
غلہ کی مہنگائی	31
حمام کی قرقی	32
بندشِ آب	33
زمانہ کی شکایت	37
استاد کا عتاب	38
افطاری	41
بزاز کا نوکر	42
ستاروں کے حالات	44
ستارہ شناس	46
حاجت روائی	48
بڑا عابد کون؟	49
سکندر اور دیوژن	50

شاہ اور فلسفی	51
توحید مفضل	53
اونٹوں کا مقابلہ	58
پیاسا نصرانی	60
علیؑ کے مہمان	61
مجذوم افراد	63
ابن سیابہ	64
قاضی کا مہمان	67
بازاری باتیں	68
بوڑھا اور بچے	71
سعد کا پیغام	72
ایک مستجاب دعا	74
پناہندگی کا خاتمہ	78
پہلا نعرہ	84
رستم کے دربار میں	89
بستر سے فرار	97
بے لچک سیاست	101
سو رہے ہو یا بیدار؟	107
خون کا مہر	111
تمہارے لڑکے کیا ہوئے؟	129
استاد کی نصیحت	132

مسلمان بھائی کا حق	137
ماں کا حق	139
عالم کے سامنے	143
ہشام اور طاؤس یمانی	144
پنشن	146
عاشقِ رسولؐ	147
کھیرے والا	149
اُم علاء کی گواہی	152
آدھی رات کی اذان	154
شوہر کی شکایت	159
گھر کے کام	162
حضرت حجتؑ کی فریادرسی	166
جنات کی وادی	168
لاش حسینؑ پامال کرنے والے کا زندہ جل جانا	170
اقتباس مقدمہ تجلیات حکمت	172
اخلاق	174
اخلاص	174
امانت	175
ادب	175
زبان	175
عبرت	176

حماقت	176
جہالت	177
جھوٹ	177
عیب	178
غیبت	178
ریاکاری	179
خیانت	179
دھوکا	180
تفرقہ	180
باطن	180
برائی	181
شبہ	181
شک	182
گمان	182
طمع	183
نفاق	183
عداوت	184
خواہش نفس	184
خودسری	185
بخل	185
بغاوت (سرکشی)	185

''حرص''	186
حسد	186
کینہ	187
نافرمانی	187
موت	188
پڑوس	188
غبن،ضرر	188
دنیا	189
قتل	190
انتقام	190
تہمت	190
شروبرائی	191
شرف	191
دنیا کے زوال اور فنا کے سلسلے میں	191

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

سچی کہانیوں کی پہلی جلد اگست 1960 میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ میری خواہش تھی کہ جلد سے جلد دوسری جلد کا کام مکمل کر کے طباعت کے لئے دے دوں۔ لیکن مختلف قسم کی پریشانیوں نے اس خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔ اسی دوران پہلی جلد دوبارہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوگئی اور دوسری جلد اسی طرح نامکمل تھی۔ اس وقت خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے توفیق عنایت فرمائی اور اس جلد کا کام پورا ہوا اور طبع ہوئی تاکہ محترم قارئین کو مل سکے۔

اس کتاب کی پہلی جلد قارئین کو بہت پسند آئی۔ میری امید سے زیادہ مختلف طبقے کے لوگوں کی طرف سے محبت وتشویق کا اظہار ہوا۔ بے پناہ پسندیدگی ومقبولیت سبب ہوئی کہ دی ماہ 1342 ہجری ش (جنوری 1963) میں دوبارہ پانچ ہزار کی تعداد میں چھپے اور دوسری جلد بھی ابتدا ہی میں دس ہزار کی تعداد میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئے۔

گذشتہ ماہ شعبان میں ایران ریڈیو ٹیلیویژن کی طرف سے مجھے بذریعہ ٹیلیفون یہ اطلاع دی گئی کہ ریڈیو کے اہلِ قلم کمیٹی میں یہ تجویز پاس ہوئی ہے کہ ماہ مبارک رمضان میں اس کتاب کی کہانیوں سے بذریعہ ریڈیو استفادہ کیا جائے اور مستقل طور پر روزانہ سچی کہانیوں کے عنوان سے اس مہینے معین وقت پر پروگرام پیش کیا جائے۔ چنانچہ یہ پروگرام گذشتہ رمضان میں انجام پایا۔ اب تک مذہبی تعطیلات میں بھی یہ پروگرام اسی عنوان سے نشر کیا جاتا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ریڈیو سننے والے اس کو پسند کرتے ہیں۔

جو بات مسرت آور اور قابلِ توجہ ہے وہ یہ کہ ہمارے عوام مذہبی کتابوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ مذہبی کتاب اگر اچھے اور مفید اسلوب کے ساتھ لکھی گئی ہو تو اس کے خریدار ہر قسم کی کتاب سے زیادہ ہیں۔ اور یہ بات مذہبی اہلِ قلم اور صاحبانِ فن کی ذمہ

داری میں اضافہ پیدا کر دیتی ہے۔

جب یہ معلوم ہو رہا ہے کہ لوگ بہترین مذہبی باتیں سننے اور پڑھنے کے لئے آمادہ ہیں تو مذہبی اہلِ قلم اور علماٗ کا فریضہ ہے زحمت وتکلیف اٹھا کر سماج کو مفید مواد پیش کریں۔

اس کتاب کی جلد اول میں 75 اور اس جلد میں 50 کہانیاں ہیں۔ غالباً اس جلد کی کہانیاں جلد اول کی کہانیوں سے طویل ہیں، چونکہ یہ بات پیش نظر تھی کہ اس جلد کی ضخامت جلد اول سے زیادہ نہ ہونے پائے اس لئے پچاسویں کہانی پر ہم نے کتاب مکمل کر دی۔ اس جلد کی کہانیوں کو مستقل طور پر شمار نہیں کیا گیا ہے بلکہ جلدِ اول کے شماروں کا لحاظ رکھا گیا ہے اس وجہ سے شمارہ نمبر 76 سے ابتدا ہوتی ہے شمارہ نمبر 135 پر اختتام ہوتا ہے۔ اگر توفیق شاملِ حال رہی اور بعد میں آنے والی جلدیں طباعت کے لئے آمادہ ہوئیں تو اسی ترتیب سے شمارہ بندی کی جائے گی۔

اس جلد کی کہانیاں بھی جلد اول کی طرح اکثر حدیث کی کتابوں سے منتخب کی گئی ہیں لیکن احادیث کی کہانیوں پر ہی منحصر نہیں ہیں بلکہ تاریخی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ جلدِ اول کی طرح میں نے کسی کہانی میں ذرّہ برابر اضافہ نہیں کیا ہے لیکن قرائن واحوال کی روشنی میں کہانی کو مرتب کیا ہے۔ جہاں کہیں چند مدارک سے انتخاب ہوا وہاں مدارک کی کمی وزیادتی کو پیشِ نظر رکھ کر مجموعہ سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کہانی کے آخر میں صفحہ کی تعین کے ساتھ اور بعض کے مطبع کی تشخیص کے ساتھ مأخذ ومدارک کا حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے۔ خداوندِ عالم کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے قلم وزبان ونیت اور فکر کی اصلاح فرمائے اور اپنے خاص لطف وکرم کی وجہ سے ہمیں خطا ولغزش سے محفوظ رکھے اور توفیق دے کہ اس کی خوشنودی کی خاطر خدمتِ خلق کے لئے مفید اور نفع بخش قدم اٹھائیں۔

مرتضیٰ مطہری

تہران 4 نومبر 1964، مطابق 29 جمادی الثانیہ 1384 ہجری قمری

حاتم کا بیٹا

طلوعِ اسلام اور اسلامی حکومت کے تشکیل پانے سے پہلے عربوں میں قبیلے کی سرداری کی رسم جاری تھی۔ عرب والے اپنے سرداروں کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کو ٹیکس وغیرہ بھی دیتے تھے۔ عرب قبیلوں کے مختلف سرداروں میں ایک سردار حاتم بھی تھا جو اپنی سخاوت کی وجہ سے بہت مشہور تھا اور قبیلۂ ''طی'' کے سربراہ کے عنوان سے یاد کیا جاتا تھا۔ حاتم کے بعد اس کا بیٹا ''عدی'' اس کا جانشین ہوا۔ ''قبیلۂ طی'' والوں نے اس کی اطاعت قبول کی۔ عدی سالانہ ہر شخص کی آمدنی کا ایک چوتھائی حصہ بطور ٹیکس لیتا تھا۔ عدی کی حکومت وریاست حضرت رسولِ خدا صلعم کے مبعوث ہونے اور اسلام کے پھیلنے تک رہی۔ ''قبیلۂ طی'' بت پرست تھا۔ لیکن عدی نصرانی مذہب پر ہونے کے باوجود اس کو لوگوں سے چھپاتا تھا۔

عرب والے جو مسلمان ہوتے جاتے تھے، وہ اسلام کی آزادانہ تعلیمات سے واقفیت حاصل کر کے سرداروں کی جبری اطاعت سے آزاد ہوتے جا رہے تھے۔ یہی سبب تھا کہ دوسرے عرب حکمرانوں کی طرح عدی نے بھی اسلام کو ایک بڑا خطرہ سمجھا اور نتیجہ میں رسولؐ خدا سے دشمنی برتی، لیکن وہ رسولؐ اور اسلام کا کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ لوگ جوق در جوق عاشقانہ طور سے اسلام میں داخل ہونے لگے تھے اور اسلام و مسلمین کی طاقت وعظمت بڑھنے لگی تھی۔ عدی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ ایک دن میری جستجو میں بھی آئیں گے اور میرے تخت وحکومت کو الٹ دیں گے۔ اسی لئے اپنے خاص خدمت گذار (جو ایک غلام تھا) کو حکم دیا کہ تیز رفتار اونٹ ہر وقت حاضر رہنا چاہیے اور جس دن بھی اطلاع ہو جائے کہ اسلامی فوج نزدیک آگئی ہے فوراً آگاہ کرے۔

ایک دن غلام آیا اور کہا: ''جو کچھ کرنا ہو کرو۔ اسلامی فوج قریب آگئی ہے۔ عدی

کے حکم کے مطابق اونٹ لائے گئے، اس پر گھر والے سوار ہوئے اور جو سامان لے جانے کے قابل تھا سب اونٹوں پر لاد کر شام کی جانب بھاگ کر اپنے ہم خیال اور ہم مذہب افراد سے جا ملا۔ لیکن جلد بازی کی وجہ سے اپنی بہن ''سفانہ'' کو بھول گیا اور وہیں چھوڑ گیا۔

اسلامی فوج جس وقت پہنچی عدی بھاگ چکا تھا۔ اس کی بہن ''سفانہ'' کو اسیروں کے ساتھ مدینہ لے گئے اور عدی کے بھاگنے کی خبر رسولؐ کو دی، شہر مدینہ کی مسجد کے باہر ایک احاطہ تھا جس کی چار دیواری چھوٹی تھی۔ اسی میں اسیروں کو رکھا گیا۔ ایک دن رسولؐ اسلام مسجد جانے کے لئے وہاں سے گذر رہے تھے۔ سفانہ جو کہ ایک سمجھدار اور چرب زبان عورت تھی اپنی جگہ سے اٹھی اور کہا: ''میرے باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے، میرا سرپرست بھی معلوم نہیں کہاں ہے؛ خدارا مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کرے گا۔''

حضرت رسول اکرمؐ نے اس سے پوچھا، ''تیرا سرپرست کون ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''عدی بن حاتم'' حضرتؐ نے فرمایا: ''وہی جو خدا اور اس کے رسولؐ سے بھاگا ہے؟!''

حضرت رسول اکرمؐ نے یہ فرمایا اور روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن آنحضرتؐ پھر اسی طرف سے گذرے، سفانہ اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر وہی جملے دہرائے۔ حضرت رسولؐ خدا نے بھی پھر پہلے دن جیسا جواب دیا اور روانہ ہو گئے۔ سفانہ کی امید پوری نہ ہوئی۔ تیسرے دن پھر پیغمبر اسلامؐ اسی طرف سے گذر رہے تھے لیکن سفانہ کو اپنی درخواست کے پورا ہونے کی امید نہ تھی۔ اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ اب وہ کچھ نہ کہے گی۔ لیکن آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ ایک جوان چل رہا تھا، اس نے اشارہ سے سفانہ کو سمجھایا کہ آگے بڑھ کر اپنی حاجت بیان کرے۔ سفانہ آگے بڑھی اور پہلے دنوں کی طرح پھر کہا: ''میرے باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے، میرا سرپرست بھی معلوم نہیں کہاں ہے، خدارا آپ مجھ پر احسان کیجئے خدا آپ پر احسان کرے گا۔''

حضرت رسول اسلامؐ نے ارشاد فرمایا: ''بہت اچھا، میں اس انتظار میں ہوں کہ کوئی معتبر آدمی مل جائے تو تجھے اس کے ہمراہ تیرے قبیلے میں بھیج دوں گا۔ اگر تجھے ہی کسی معتبر آدمی کی خبر ملے تو مجھے مطلع کرنا۔'' جو لوگ وہاں موجود تھے ان سے سفانہ نے دریافت کیا کہ پیغمبر اسلامؐ کے پیچھے پیچھے ساتھ ساتھ کون جوان چل رہا تھا جس نے مجھ سے اپنی حاجت بیان کرنے کا اشارہ کیا؟ سب نے کہا وہ جوان علی ابن ابی طالبؑ تھے۔

کچھ دنوں بعد سفانہ نے حضرت رسولؐ خدا کو اپنے قبیلے کے قابل اعتماد گروہ کے مدینہ آنے کی خبر دی اور کہا کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیں۔ آنحضرتؐ نے اسے نئے کپڑے، سفر کا خرچ اور ایک سواری دی۔ سفانہ اس گروہ کے ساتھ روانہ ہوئی اور شام میں اپنے بھائی سے جا ملی۔ جیسے ہی سفانہ نے عدی کو دیکھا برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور کہا: ''تو اپنے بیوی و بچے تو لے گیا اور اپنے باپ کی یادگار یعنی مجھ کو چھوڑ آیا؟''

عدی نے سفانہ سے معافی مانگی۔ چونکہ سفانہ ایک سمجھدار عورت تھی اس لئے عدی نے اپنے کاموں میں اس سے مشورہ کیا اور پوچھا:

''اب جبکہ تم نے محمدؐ کو بہت ہی قریب سے دیکھا ہے میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے اور میرے لئے کیا مناسب ہے؟ آیا میں ان کے پاس جاؤں اور ان سے ملحق ہو جاؤں، یا اسی طرح کنارہ کشی کرتا رہوں؟''

سفانہ نے کہا: ''میرے خیال میں بہتر یہ ہے کہ تم ان سے مل جاؤ، اگر وہ حقیقت میں پیغمبرؐ خدا ہیں تو تمہارے لئے نیک بختی اور بھلائی ہے اور وہ پیغمبر خدا نہیں ہیں حکومت کے خواہاں ہیں پھر بھی یمن تجھ سے زیادہ دور نہیں اور وہاں کے لوگوں کے درمیان جو عزت و احترام تجھے ہے اس لحاظ سے بے یار و مددگار نہیں رہو گے اور اپنی عزت و احترام کو بھی ہاتھ سے نہیں دو گے۔''

عدی نے اس نظریہ کو پسند کیا اور مدینہ جانے کا قصد کیا تا کہ رسولؐ اسلام کے مشن

کی تحقیق کرے اور یہ دیکھے کہ کیا وہ واقعی رسول ہیں تا کہ ایک اُمتی کی طرح ان کی پیروی کرے یا اگر وہ دنیا طلب اور حکومت کے خواہاں ہیں تو پھر اپنے فائدہ کے لحاظ سے ان کا ساتھ دے۔ رسول اکرمؐ مسجد مدنیہ تھے۔ اس وقت عدی وہاں پہنچا اور رسولؐ خدا کو سلام کیا۔ رسولؐ نے پوچھا: ''تو کون ہے؟''

''عدی بن حاتم طائی ہوں۔''

حضرت رسولؐ خدا نے اس کا احترام کیا اور اپنے ساتھ گھر لے گئے۔

راستے میں جبکہ رسولؐ اسلام اور عدی جا رہے تھے اس وقت ایک ضعیفہ آنحضرتؐ کے سامنے آئی اور سوال و جواب کرنے لگی اور کچھ دیر تک آپؐ اس کے سوالات کا حوصلہ اور مہربانی کے ساتھ جواب دیتے رہے۔

عدی نے اپنے دل میں سوچا کہ اس شخص کا یہ حُسنِ اخلاق اس کی پیغمبری کی ایک علامت ہے کیونکہ دنیا پرست لوگوں میں اس طرح کے اخلاق و مہربانی کا برتاؤ نہیں پایا جاتا کہ وہ ایک ضعیفہ و نادار کے ساتھ مہربانی اور حُسنِ اخلاق سے پیش آئیں۔ جس وقت عدی رسولؐ اسلام کے گھر میں داخل ہوا، رسولؐ کی زندگی کے معمولی ساز و سامان کو دیکھا۔ گھر میں صرف ایک تو شک تھی جس پر رسولؐ بیٹھتے تھے اسی کو عدی کے لئے بچھا دیا۔ عدی نے بہت ہی اصرار کیا کہ پیغمبر اسلامؐ خود اس پر بیٹھیں لیکن رسولؐ نے قبول نہ کیا۔ مجبوراً عدی تو شک پر اور رسولؐ زمین پر بیٹھ گئے۔ عدی نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ دوسری علامت ہے جو صرف پیغمبروں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ بادشاہوں کے لئے۔ پیغمبرؐ نے عدی کی طرف رُخ کر کے فرمایا: ''کیا تمہارا مذہب رکوسی (نصرانی) نہیں تھا؟''

''پھر کس لئے اور کس بنیاد پر لوگوں کی آمدنی کا ایک چوتھائی حصہ لیتا تھا؟ تمہارے مذہب میں تو یہ کام جائز نہیں ہے؟''

عدی نے اپنے مذہب کو سب سے یہاں تک کہ قریب تر اپنے لوگوں

سے بھی پوشیدہ رکھا تھا۔ لیکن رسولؐ اسلام کے کلام سے حیرت زدہ ہوگیا اور یہ سوچا کہ یہ تیسری علامت ہے کہ یہ شخص پیغمبر ہے۔ اس کے بعد رسولؐ نے عدی سے فرمایا: ''تم آج مسلمانوں کو فقر وفاقہ اور بدحالی کو دیکھ رہے ہو اور تمام قوموں میں مسلمانوں کو فقیر خیال کررہے ہو، دوسرے یہ کہ آج دشمنوں نے مسلمانوں کا گھیراؤ کررکھا ہے یہاں تک کہ ان کی جان اور مال بھی محفوظ نہیں ہے اور یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ حکومت واقتدار دوسروں کے ہاتھ میں ہے، خدا کی قسم جلد ہی مسلمانوں کو مال وثروت اس قدر ملے گی کہ کوئی فقیر نہ رہے گا اور خدا کی قسم دشمن اتنے مغلوب ہوجائیں گے اور ایسا امن وامان قائم ہوگا کہ ایک خاتون تنہا عراق سے حجاز تک بےخوف وہراس سفر کرسکے گی، کوئی اُس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرسکے گا۔

خدا کی قسم جلد ہی بابل کے سفید محل مسلمانوں کے قبضہ میں ہوجائیں گے۔'' عدی انتہائی خلوص وکامل عقیدہ کے ساتھ اسلام لایا اور آخری عمر تک اسلام کا وفادار رہا۔ رسولؐ اسلام کے بعد کافی عقیدہ کے بعد کافی عرصہ تک زندہ رہا اور پیغمبرؐ کی وہ باتیں جو پہلی ملاقات میں وہ پیشین گوئیاں جو مسلمانوں کے بارے میں فرمائی تھیں ان کو ہمیشہ یاد رکھا اور کبھی نہ بھلایا۔ وہ کہتے تھے۔

''میں نے اپنی زندگی ہی میں دیکھ لیا کہ سرزمین بابل مسلمانوں کے قبضے میں آگئی اور امن وامان ایسا تھا کہ ایک عورت عراق سے حجاز تک تنہا سفر کرسکتی تھی اور کوئی خطرہ نہیں تھا۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی فقیر مسلمانوں میں دکھائی نہ دے گا۔'' [۱]

[۱] سیرۃ ابن ہشام، جلد2، وقائع سال دہم ہجری، ص578 تا ص580۔

ذہانت کا امتحان

آخر کار کوئی بھی شاگرد مُربی اسلام کے اس سوال کا اطمینان بخش جواب نہ دے سکا، جس کسی نے جواب دیا مورد قبول رسول مقبول نہ ہوا۔ وہ سوال جو رسولؐ نے اپنے اصحاب سے کیا تھا وہ یہ تھا: ایمان کی کڑیوں میں سب سے زیادہ مضبوط کڑی کونسی ہے؟

ایمان کی کڑیوں میں سب سے زیادہ مضبوط کڑی کونسی ہے؟

ایک صحابی نے جواب دیا: ''نماز''

رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں''

دوسرے نے عرض کی: ''زکوۃ''

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''نہیں''

تیسرے نے جواب دیا: ''روزہ''

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''نہیں''

چوتھے نے کہا: ''حج وعمرہ''

حضرتؐ نے فرمایا: ''نہیں''

پانچویں نے عرض کی: ''جہاد''

آنحضرت صلعم نے فرمایا: ''نہیں''

خلاصہ یہ کہ تمام حاضرین میں سے کوئی مناسب جواب نہ دے سکا۔ خود حضرتؐ نے فرمایا: یہ سب چیزیں جو تم لوگوں نے بیان کی ہیں۔ سب باعظمت وفضیلت ہیں لیکن جو میں نے پوچھا ہے ان میں سے کوئی اس کا جواب نہیں۔ ایمان کی کڑیوں میں سب سے نمایاں کڑی یہ ہے کہ خدا کی خوشنودی کی خاطر دوستی اور خدا کی رضایت کی خاطر دشمنی۔ [۲]

[۲] کافی، جلد2۔ باب الحب فی اللہ والبغض فی اللہ ص25 وسائل الشیعہ جلد2 ص497 مطبوعہ امیر بہادر

جویبر اور ذلفا

''کتنا ہی اچھا ہوتا اگر تم شادی کر لیتے اور اپنا گھر بسا لیتے اس طرح اس تنہائی کی زندگی سے نجات مل جاتی اور تمہاری شادی کی خواہش پوری ہو جاتی اور وہی عورت دنیا اور آخرت کے کاموں میں تمہاری مددگار ثابت ہوتی۔''

''یارسولؐ اللہ! میرے پاس نہ مال ہے نہ جمال، نہ حسب ہے نہ نسب؛ کون مجھے لڑکی دے گا؟ کون سی لڑکی ہے میرے جیسے ایک فقیر وکوتاہ قد وسیاہ فام اور بدشکل انسان کی طرف مائل ہوگی؟''

''اے جویبر! خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ سے لوگوں کی قدر وقیمت بدل دی ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بہت سے لوگ محترم تھے، اسلام نے انہیں پست شمار کیا ہے اور بہت سے لوگ اسی زمانۂ جاہلیت ذلیل اور پست میں تھے جنہیں اسلام نے بلند مرتبہ پر پہنچایا۔ خداوند عالم نے اسلام کے ذریعہ سے جاہلیت کے نخوت وغرور اور تکبر ونسب اور خاندان پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے۔ اب اس وقت تمام انسان سفید وسیاہ، قرشی وغیر قرشی، عربی وعجمی سب ایک صف میں ہیں۔ اگر کسی کو کسی پر فضیلت وبرتری ہے تو صرف تقویٰ اور اطاعت خدا کی وجہ سے ہے۔ میں مسلمانوں میں اس شخص کو تم سے بلند مرتبہ والا سمجھوں گا جو تم سے زیادہ تقویٰ اور عمل میں بہتر ہوگا۔ اس وقت جو تجھے حکم دے رہا ہوں عمل کرو۔''

یہ وہ گفتگو ہے جو رسول مقبولؐ اور جویبر میں ہوئی تھی۔ '' آنحضرتؐ ایک دن ''اصحاب صفہ'' سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے'' جویبر یمامہ کا رہنے والا تھا، وہیں اسلام کی شہرت اور پیغمبرؐ اسلام کی تشریف آوری کے بارے میں مطلع ہو چکا تھا۔ وہ اگر چہ فقیر وسیاہ فام اور کوتاہ قد تھا مگر حق طلب وصاحب ہوش وارادہ تھا۔ اسلام کی شہرت سننے کے بعد وہ فوراً مدینہ آیا تا کہ قریب سے حقیقت حال سمجھ سکے۔

زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے لگا۔ لیکن چونکہ نہ روپے پیسے تھے اور نہ گھر اور جان پہچان۔ مرسل اعظمؐ کے حکم سے وقتی طور سے مسجد میں زندگی گذار رہا تھا۔ دوسرے لوگ جو مسلمان ہو گئے تھے اور مدینہ میں رہ رہے تھے ان میں بھی بہت سے افراد ایسے تھے جو جویبر کی طرح فقیر وتنگ دست تھے اور پیغمبر گرامیؐ کے حکم سے مسجد میں زندگی گذار رہے تھے۔ یہاں تک کہ رسولؐ اسلام پر وحی نازل ہوئی کہ مسجد رہنے کی جگہ نہیں ہے اور ان لوگوں کو مسجد سے باہر سکونت کرنی چاہیے۔ حضرت رسولؐ خدا نے مسجد سے باہر ایک سائبان بنوایا اور ان لوگوں کو اس سائبان میں منتقل کر دیا۔ اس جگہ کو ''صفہ'' کا نام دیا گیا۔ اس کے رہنے والے چونکہ فقیر ومسافر تھے اس لئے انہیں ''اصحاب صفہ'' کہنے لگے ہیں۔ رسولؐ خدا اور حضرتؐ کے اصحاب انکی زندگی کے وسائل فراہم کرتے تھے۔

ایک دن حضرت مرسل اعظمؐ اس گروہ کے دیکھنے کے لئے تشریف لائے تھے، کہ اسی دوران حضرتؐ کی نگاہ جویبر پر پڑی۔ سوچنے لگے کہ جویبر کو اس حالت سے نکالنا چاہیے۔ اور اسکی زندگی کے لئے معقول انتظام کرنا چاہیے لیکن جس بات کا خیال جویبر کے دل میں کبھی نہیں آتا تھا۔ خصوصاً اپنی موجودہ حالت کے پیش نظر وہ یہ تھا کہ وہ کبھی گھر والا اور صاحب عیال ومال ہو۔ اسی وجہ سے جب حضرت رسولؐ خدا نے شادی کرنے کی تجویز رکھی۔ تعجب کے ساتھ جواب دیا کہ آیا ممکن ہے کہ کوئی میرے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہو جائے لیکن آنحضرتؐ نے فوراً اس کی غلط فہمی دور کر دی اور اسلام کی وجہ سے سماج میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں اس سے آگاہ فرمایا۔

حضرت رسولؐ خدا نے جب جویبر کو اس غلط فہمی سے نکالا اور اس کے گھریلو زندگی کے لئے مطمئن اور امیدوار کیا اور حکم دیا کہ وہ سیدھے زیاد ابن لبید انصاری کے گھر جا کر اس کی بیٹی ''ذلفا'' سے اپنے لئے خواستگاری کرے۔

زیاد ابن لبید اہل مدینہ کے ثروتمندوں اور محترمین میں سے تھا۔ اس کے قبیلے کے لوگ اس کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے۔ جس وقت جویبر زیاد کے گھر وارد ہوا؛ اس کے خاندان کے لوگ کافی جمع تھے۔

جویبر بیٹھنے کے بعد کچھ دیر خاموش رہا اس کے بعد سر اٹھایا اور زیاد سے کہا: 'میں پیغمبرؐ اسلام کی طرف سے تیرے پاس ایک پیغام لایا ہوں۔ پوشیدہ طور سے کہوں یا علی الاعلان؟'

''پیغمبرؐ کا پیغام میرے لئے باعث فخر ہے، علی الاعلان کہو۔''

''مجھے پیغمبرؐ نے بھیجا ہے تاکہ تیری لڑکی ذلفا سے اپنی خواستگاری کا پیغام دوں۔''

''خود پیغمبرؐ نے تم سے اس موضوع کے بارے میں فرمایا ہے؟''

''میں اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں کہہ رہا ہوں۔ سب مجھے جانتے ہیں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔''

''تعجب ہے، یہ ہمارے یہاں کا دستور نہیں ہے کہ اپنی لڑکی کو اپنے ہم شان قبیلہ کے علاوہ کسی اور کو دیں۔ تم جاؤ میں خود پیغمبرؐ کے پاس آؤں گا اور اس موضوع پر خود ان سے بات کروں گا۔'' جویبر اپنی جگہ سے اٹھا اور گھر سے باہر چلا گیا لیکن جس وقت وہ جا رہا تھا اپنے سے کہہ رہا تھا: خدا کی قسم جو کچھ قرآن نے تعلیم دی ہے اور وہ جو کچھ نبوت محمدیؐ نے تعلیم دی ہے وہ زیاد کے قول سے بالکل الگ ہے۔''

جویبر نے جو باتیں دھیرے دھیرے کہی تھیں تمام افراد جو قریب بیٹھے تھے سب نے سنی۔ حُسن و جمال میں مشہور لبید کی لڑکی ذلفا نے جویبر کی باتوں کو سنا؛ اپنے باپ کے پاس آئی تاکہ حالات سے آگاہ ہو سکے۔

''پدر گرامی! ابھی ابھی جو شخص گھر سے باہر کچھ کہتا ہوا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟''

''یہ شخص تم سے شادی کا پیغام لایا تھا اور یہ دعویٰ کر رہا تھا کہ پیغمبرؐ اسلام نے اسے بھیجا ہے۔''

''کہیں ایسا نہ ہو کہ واقعی رسولؐ نے اُسے بھیجا ہو؟ اس کو واپس کرنا پیغمبر گرامیؐ کے حکم کی نافرمانی ہوگی۔''

''تمہارے خیال میں مَیں کیا کروں؟''

''میرے خیال میں اس کو حضرت رسولؐ خداصلعم کی خدمت میں پہنچنے سے پہلے پہلے جلد گھر واپس بلا لینا چاہیے۔ آپ خود پیغمبرؐ کی بارگاہ میں تشریف لے جائیں اور معلومات کریں کہ مسئلہ کیا ہے؟''

زیاد جویبر کو احترام کے ساتھ اپنے گھر واپس لایا اور بلا تاخیر پیغمبرؐ کی خدمت میں روانہ ہوا جیسے ہی حضرتؐ کو دیکھا عرض کیا:

''یا رسولؐ اللہ! جویبر میرے گھر آیا تھا اور آپ کی طرف سے پیغام لایا تھا۔ میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے ہاں کی رسم و رواج یہ ہے کہ اپنی لڑکیوں کی شادی اپنے خاندان اپنے شان و شوکت والوں کے ساتھ کرتے ہیں جو آپ کے انصار و مددگار رہیں۔''

''اے زیاد! جویبر مومن ہے۔ جس شان و شوکت کا تم گمان کر رہے ہو، وہ ختم ہو چکی ہے۔ مرد مومن کا کفو مومنہ عورت ہے۔'' زیاد اپنے گھر گیا اور سیدھے ذلفا کے پاس گیا اور سارا واقعہ بیان کیا۔'' میرے خیال میں رسولؐ خدا کی تجویز کو رد نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سارا مسئلہ مجھ سے متعلق ہے جویبر جو کچھ بھی ہے مجھے اس سے راضی ہونا چاہیے۔ چونکہ رسولؐ خدا اس معاملہ میں راضی ہیں اس لئے میں بھی راضی ہوں۔ زیاد نے ذلفا کا عقد جویبر سے کر دیا۔ اپنے مال سے اس کا مہر معین کیا۔ دلہن کے لئے عمدہ و بہترین جہیز فراہم کیا۔ جویبر سے پوچھا گیا:

''کیا کوئی گھر تمہاری نظر میں ہے جس میں دلہن کو لے جاؤ گے؟''

''میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ صاحب خانہ وزوجہ ہوں گا۔پیغمبرؐ یکا یک تشریف لائے اور مجھ سے اس طرح باتیں کیں اور مجھے زیاد کے پاس بھیج دیا۔''

زیاد نے اپنے مال سے گھر اور اثاثہ فراہم کیا۔ داماد کے لئے مناسب لباس مہیا کئے۔ دلہن کو عطر وآرائش اور مکمل زیورات کے ساتھ اس گھر میں منتقل کر دیا گیا۔ رات تاریک تھی۔ جو یبر کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کے لئے کہاں اور کونسا گھر لیا گیا ہے۔ اس کو گھر بتایا گیا اور حجلۂ عروسی کی طرف رہنمائی کی گئی۔جس وقت اس گھر اور دلہن کے تمام لوازمات اور اس طرح کی خوبصورتی پر اس کی نظر پڑی اس کو اپنے گذشتہ حالات یاد آئے۔ اپنے دل میں سوچنے لگا۔ میں محتاج ونادار اور مسافر اس شہر میں آیا تھا، میرے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ نہ مال نہ جمال نہ نسب اور نہ ہی خاندان، خدا نے اسلام کے ذریعہ یہ تمام نعمتیں میرے لئے فراہم کی ہیں۔ یہ اسلام ہے جس نے اس طرح کی تبدیلی انسانوں میں لائی ہے۔جس کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا۔ مجھے کتنا خدا کا شکرادا کرنا چاہیے!

اسی وقت شکر خدا بجالانے کی بات اس کے دل میں پیدا ہوئی۔ کمرے کے ایک گوشے میں گیا اور تلاوت قرآن پاک اور عبادت کرنا شروع کردی۔ اسی حالت میں رات بیت گئی اور وہ اس وقت متوجہ ہوا جب اذان صبح کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے اس دن شکرانہ روزہ کی نیت کر لی۔

ذلفا کے پاس عورتیں گئیں تو پتہ چلا کہ جو یبر بالکل ذلفا کے پاس آیا ہی نہیں۔ اس بات کو لوگوں نے پوشیدہ رکھا۔ دو راتیں اسی طرح گذر گئیں۔ جو یبر دن میں روزہ رکھتا اور رات عبادت اور تلاوت میں بسر کرتا۔ دلہن کے گھر والوں کی تھوڑی فکر ہوئی کہ ایسا تو نہیں کہ جو یبر میں جنسی کمزوری ہے اور اسے عورت کی حاجت نہیں۔ مجبوراً زیاد تک یہ بات پہنچائی گئی۔ زیاد نے یہ بات حضرت رسولؐ خدا تک پہنچائی۔ پیغمبر اکرمؐ نے جو یبر کو بلایا اور اس سے پوچھا:

''کیا تم میں عورت کی بالکل خواہش نہیں ہے؟''

''اتفاق سے مجھ میں یہ خواہش بہت ہے۔''

''پھر کیوں اب تک دلہن کے پاس نہیں گئے؟''

''یارسولؐ اللہ! جس وقت میں اس گھر میں داخل ہوا اور ان نعمتوں میں خود کو پایا۔ خیالات میں ڈوب گیا کہ خدا نے اس ناقابل بندہ پر کس طرح عنایت فرمائی ہے، شکر اور عبادت کی حالت مجھ میں پیدا ہوئی۔ ہر چیز سے پہلے ضروری سمجھا کہ اپنے خدا کا شکرانہ عبادت بجالاؤں۔ آج کی رات سے زوجہ کے پاس جاؤں گا۔

حضرت رسولؐ خدا نے اصل بات سے زیادہ ابن لبید کو مطلع کیا۔ ان دونوں نے شبِ زفاف بسر کی۔ خوشی ومسرت کے ساتھ زندگی گذارنے لگے جہاد کا وقت آیا۔ جو یبر اس خاص جذبے اور نشاط کے ساتھ جو مردان باایمان کے لئے مخصوص ہے اسلام کے پرچم کے تلے جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہوگیا۔ جو یبر کی شہادت کے بعد کسی عورت کے اتنے رشتے نہیں آئے جتنے ذلفا کے آئے اور کسی دوسری عورت کے لئے اتنا پیسہ خرچ کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔[1]

[1] کافی جلد 5،ص34

ایک نصیحت

ایک شخص نے حضرت رسول اکرمؐ سے بہت اصرار کیا کہ آپ ایک نصیحت فرمائیں۔حضرت رسول خداصلعم نے ارشادفرمایا:

''اگر میں کہوں تو اس پر عمل کرے گا؟''

''جی ہاں اے خدا کے رسولؐ۔''

اگر میں کہوں اس پر عمل کرے گا؟''

''جی ہاں اے خدا کے رسولؐ۔''

''اگر میں کہوں اس پر عمل کرے گا؟''

''جی ہاں اے خدا کے رسولؐ۔''

حضرت رسول خداصلعم نے جب اس سے تین بار اقرار لیا اور اس کو اس مطلب کی اہمیت کی طرف (جو فرمانا چاہتے تھے) متوجہ کیا پھر اس سے فرمایا:

''کسی کام کے ارادے سے پہلے اس کے نتیجے اور انجام کے بارے میں غور وفکر کرلیا کرو اگر اس کا انجام خیر ہے تو اس پر عمل کرو اور اگر اس کا انجام گمراہی اور تباہی ہے تو اپنے ارادے سے باز رہو۔''[1]

---

[1] ''اذهمت بامر فتدبر عاقبته، ان يك رشدا فامضه وان غيا فانته عنه''
وسائل الشیعہ ،جلد2،ص457

اچانک ارادہ میں تبدیلی

جس وقت ہارون رشید کو یہ خبر دی گئی کہ: صفوان [2] جمال نے تمام اونٹ فروخت کر دیے ہیں، لہٰذا بادشاہ کو سفرِ حج کے سامان لے جانے کے لئے کوئی دوسرا بندوبست کرنا چاہیے۔ بادشاہ یہ سن کر تعجب میں پڑ گیا۔ سوچا کہ اچانک تمام اونٹوں کا فروخت کرنا خصوصاً جب کہ ہم سے سفرِ حج کے سامان لے جانے کا معاہدہ کر چکے ہیں یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔صفوان کو بلا کر پوچھا:''میں نے سنا ہے کہ تم نے تمام اونٹ فروخت کر دیے ہیں؟''

''ہاں اے امیر المومنین!''

''کیوں؟''

''میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور اب مجھ سے کام ہو نہیں پا رہا ہے۔ بچے بھی صحیح طریقے سے اس فکر میں نہیں ہیں؛ میں نے فروخت کرنے میں ہی بھلائی دیکھی۔''

''سچ سچ بتاؤ کہ کیوں فروخت کیے؟''

''یہی بات ہے جو میں نے عرض کی''

''لیکن میں جانتا ہوں کہ کیوں تم نے فروخت کیے؟ یقیناً موسیٰ کاظمؑ نے میرے اور تمہارے درمیان سامان اٹھانے لے جانے کے معاہدہ سے باخبر ہو کر تم کو اس کام سے روکا ہے اور انہوں نے تمہیں اونٹ بیچنے کا حکم دیا ہے؟ اچانک تمہارے ارادے میں تبدیلی کا سبب یہی ہے۔''

اس وقت ہارون نے غضبناک لہجہ میں کہا:''صفوان! اگر تم سے پرانی دوستی نہ

---

[2] صفوان حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے صحابی تھے اور اونٹوں کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اس لئے انہیں تاریخ میں ''صفوان جمال'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔(مترجم)

ہوتی تو تمہارے سر اور تن میں جدائی کر دیتا۔''

ہارون نے صحیح اندازہ لگا لیا تھا۔صفوان اگرچہ خلیفہ کے خاص اور قدیمی لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے اور خلیفہ سے اچھے روابط تھے لیکن وہ اہلبیتؑ کے پیرو اور مخلص شیعوں میں سے تھے۔صفوان نے سفر حج کے سلسلے میں ہارون سے عہد و پیمان کے بعد ایک دن حضرت موسیٰ کاظمؑ سے ملاقات کی۔امامؑ نے ان سے فرمایا:

''صفوان ایک کام کے سوا تمہارے سب کام اچھے ہیں۔''

''اے فرزند رسولؐ! وہ ایک کام کیا ہے؟''

''وہ یہ کہ تم نے اپنے اونٹ ہارون کو کرائے پر دیے ہیں۔''

''اے فرزند رسولؐ! میں نے اونٹ کسی حرام سفر کے لئے کرایہ پر نہیں دے ہیں، ہارون حج کا ارادہ رکھتا ہے،سفر حج کے لئے کرائے پر دیے ہیں۔اس کے علاوہ خود ساتھ بھی نہیں جاؤں گا بلکہ اپنے بعض آدمیوں کے ساتھ غلاموں کو بھیج دوں گا۔''

''صفوان اچھا تم سے ایک سوال کروں گا؟''

''فرمائیں۔اے فرزند رسولؐ۔''

''تم نے اونٹ اس لئے کرایہ پر دیے ہیں تا کہ کرایہ حاصل کرو، وہ تمہارے اونٹ لے جائے گا اور تم بھی اس سے معینہ کرایہ کے طلبگار رہو گے۔کیا ایسا نہیں ہے؟''

''ہاں اسی طرح ہے اے فرزند رسولؐ۔''

''کیا تم اس وقت یہ نہ چاہو گے کہ ہارون کم از کم اتنے دن زندہ رہے کہ تمہارا کرایہ ادا کرے؟''

''کیوں نہیں۔اے فرزند رسولؐ۔''

''جو شخص ظالموں کے خواہ کسی بھی عنوان سے باقی رہنے کو دوست رکھتا ہو وہ ان میں سے شمار کیا جائے گا اور واضح ہے کہ جو بھی ظالموں کا جز شمار ہو گا وہ جہنم میں جائے گا۔''

اس واقعہ کے بعد صفوان نے مکمل ارادہ کر لیا کہ تمام اونٹ فروخت کر دینگے۔ اگرچہ وہ اس بات کا اندازہ لگا رہے تھے کہ ممکن ہے کہ اس کام کے بدلے جان کی بازی لگانی پڑے۔[1]

[1] سفینۃ البحار جلد2م مادّہ ''ظلم''

بابرکت پیسے

حضرت پیغمبرؐ اسلام کی فرمائش پر حضرت علیؑ بازار گئے تاکہ آنحضرتؐ کے لئے ایک پیراہن خرید لائیں۔ حضرت علیؑ بازار گئے اور ایک پیراہن بارہ درہم میں خرید کرلائے۔حضرت رسولؐ خدا نے پوچھا:

''اسے کتنے درہم میں خریدا؟''

''بارہ درہم میں۔''

''ایسا مجھے پسند نہیں ہے، اس سے سستا چاہتا ہوں، کیا بیچنے والا اس کو واپس لے لے گا؟'' ''معلوم نہیں اے رسولؐ خدا۔''

''جایئے دیکھئے شاید وہ واپس لینے پر تیار ہو جائے؟''

علیؑ پیراہن لے کر بازار گئے اور بیچنے والے سے کہا:

''حضرت رسولؐ خدا نے اس سے سستا پیراہن چاہتے ہیں، کیا تم راضی ہو کہ اسے واپس لے لو اور پیسے دے دو؟''

بیچنے والے نے قبول کرلیا اور علیؑ کو پیسے واپس کر دیے۔حضرت علیؑ پیسے لے کر پیغمبرؐ کے پاس آئے۔ اسکے بعد حضرت رسول اکرمؐ و حضرت علیؑ ساتھ ساتھ بازار گئے۔ راستے میں آنحضرتؐ کی نگاہ ایک کنیز پر پڑی جو رو رہی تھی۔ آپؐ اس کے پاس گئے اور پوچھا:

''کیوں رو رہی ہو؟''

''میرے مالک نے چار درہم دے کر بازار خریدنے کے لئے بھیجا تھا، معلوم نہیں وہ پیسے کہاں گم ہو گئے، اب گھر جانے کی ہمت نہیں پڑ رہی ہے۔''

حضرت رسول خدا صلعم نے ان بارہ درہموں میں سے چار درہم کنیز کو دیے اور

فرمایا: ''جو کچھ خریدنا ہو خرید لو اور گھر واپس جاؤ۔'' خود حضرتؐ بازار تشریف لے گئے اور ایک پیراہن چار درہم کا خرید کر زیب تن کیا۔

بازار سے واپسی پر ایک برہنہ کو دیکھا، فوراً لباس اتار کر اسے دے دیا۔ دوبارہ بازار تشریف لے گئے اور دوسرا کپڑا چار درہم میں خریدا اور پہن کر گھر واپس ہوئے۔ پھر راستے میں اسی کنیز کو دیکھا جو حیران و پریشان سہمی سہمی بیٹھی تھی، پوچھا:

''گھر کیوں نہیں گئیں؟''

''یا رسولؐ اللہ بہت دیر ہو گئی ہے، ڈرتی ہوں کہ کہیں مجھے ماریں اور یہ کہیں کہ اتنی دیر کہاں لگا دی؟''

''اپنے گھر کا پتہ بتا اور میرے ساتھ چل تاکہ تیری سفارش کروں کہ کوئی تجھے کچھ نہ کہہ سکے۔'' حضرت رسولؐ خدا کنیز کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جیسے ہی گھر کی پشت پر پہنچے، کنیز نے عرض کی: ''یہی گھر ہے۔'' رسولؐ خدا نے دروازہ کی پشت سے آواز بلند فرمایا:

''اے اہل خانہ تم پر میرا سلام ہو۔''

کوئی جواب سنائی نہیں دیا، دوسری بار پھر سلام کیا۔ پھر بھی جواب نہ آیا۔ آپؐ نے تیسری بار سلام کیا، سب نے جواب دیا: السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

''کیوں پہلی مرتبہ جواب نہیں دیا؟ کیا میری آواز نہیں سنی؟''

''ہاں۔ پہلی ہی بار سنکر سمجھ گئے تھے کہ آپؐ ہی ہیں۔''

''پھر تاخیر کا کیا سبب تھا؟''

''اے اللہ کے رسولؐ ہمیں اچھا لگ رہا تھا کہ آپ کا سلام دوبارہ سنیں۔ آپ کا سلام ہمارے لئے خیر و برکت اور سلامتی ہے۔''

''تمہاری اس کنیز کو دیر ہو گئی ہے، میں اس کی سفارش کے لئے آیا ہوں تاکہ تم اس کو سزا نہ دو۔''

''اے رسول خداصلعم آپ کے مبارک قدم کی برکت سے اس کنیز کو اسی وقت سے آزاد کیا۔'' حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا: ''خدا کا لاکھ لاکھ شکر؛ یہ بارہ درہم کتنے برکت والے تھے جس سے دو برہنہ کو لباس ملا اور ایک کنیز کو آزادی ملی۔''[1]

[1] بحارالانوار جلد 6، باب ''مکارم اخلاقہ وسیرہ وسننہ۔''

غلہ کی مہنگائی

شہر مدینہ میں روز بروز گیہوں اور روٹی کی قیمت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ہر شخص پر وحشت اور پریشانی کے آثار غالب تھے۔ جس کے پاس سال بھر کا غلہ موجود نہ تھا وہ حاصل کرنے کی فکر میں لگا تھا اور جس کے پاس موجود تھا وہ حفاظت کی کوشش کر رہا ہے۔ انہیں میں ایسے افراد بھی تھے جو مفلسی کے سبب روزانہ کا غلہ بازار سے خریدتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''معتب'' سے جو آپ کے گھر کی ضرورت کا ذمہ دار تھا پوچھا:

''کیا اس سال میرے گھر میں گیہوں ہے؟''

''جی ہاں! اے فرزند رسولؐ، اتنی مقدار میں ہے کہ چند مہینوں کے لئے کافی ہوگا۔''

''سارا گیہوں بازار میں لے جا کر لوگوں میں فروخت کر دو۔''

''اے فرزند رسولؐ! مدینہ میں گیہوں نایاب ہے، اگر ان کو فروخت کر دیں گے تو دوبارہ گیہوں خریدنا ہمارے لئے ممکن نہ ہوگا۔''

''جو میں نے کہا ہے وہ کرو، سب لے جا کر فروخت کر دو'' معتب امام کا حکم بجا لایا اور تمام گیہوں بیچ کر حضرتؑ کو مطلع کیا۔ امام نے اسے حکم دیا: ''آج سے ہمارے گھر کی روٹی بازار سے لانا۔ میرے گھر کی روٹی اور لوگوں کے استعمال کی روٹی میں فرق نہ ہونا چاہیے۔ آج سے ہمارے گھر کی روٹی آدھے گیہوں آدھے جو کی ہونا چاہیے۔ خدا کا شکر میں سال بھر تک گیہوں کی روٹی استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں لیکن ایسا کام نہیں کروں گا۔ تاکہ اللہ کی بارگاہ میں جواب نہ دینا پڑے کہ میں نے لوگوں کی اجتماعی زندگی کی ضروریات کا لحاظ نہیں کیا۔[2]

[2] احب یر انی اللہ قد احسنت تقدیر المعیشہ۔ بحارالانوار، جلد 11، ص 121۔ مطبوعہ: کمپانی

حمام کی قرقی

اموی وعباسی خلفاءً کے ظلم وستم سے عام لوگوں کی زندگی متاثر ہوئی تھی آہستہ آہستہ لوگ ان قواعد وضوابط کو جو اسلام نے زندگی اور معاشرے کے لئے مقرر کیے تھے بھلا رہے تھے۔ حضرت رسولؐ خدا وحضرت علی مرتضیٰؑ اور متدین صحابہ کی سیرت و برادرانہ روش اور سادہ طرز زندگی لوگوں کے ذہنوں سے محو ہوتی جارہی تھی۔ لوگ خلفاءً کے ظلم وستم کے طرز زندگی کے اس قدر عادی ہوگئے تھے کہ ان کے بارے میں برائی کا احساس بھی نہیں کرتے تھے۔

ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حمام جانا چاہتے تھے تو حمام کے مالک نے اس رسم ورواج کے مطابق جو اس زمانے میں محترم افراد میں رائج تھا، عرض کیا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو کسی دوسرے کو حمام میں نہ آنے دوں۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں۔''

''کیوں؟''

''یہ طریقہ مومن کے شایان شان نہیں ہے۔''[1]

''مؤمن کی طرز زندگی ان طور طریقوں سے آسان تر ہے۔''

---

[1] المومن اخف موؤنة من ذلك۔ بحار الانوار جلد 11 ص 117

بندشِ آب

معاویہ ابن ابوسفیان نے تقریباً سولہ سال تک شام میں حکومت کی اور کسی پر ظاہر کیے بغیر مقدمات خلافت کو اپنے لئے فراہم کیا۔ مرکزی حکومت سے بغاوت اور اپنی خلافت کے دعوے کا بہترین بہانہ قتل حضرت عثمان تھا۔ جبکہ اس نے حضرت عثمانؓ کی زندگی میں ان کے نالہ وفریاد کا مناسب جواب نہیں دیا تھا اور ان کی نصرت و مدد خواہی پر کان نہیں دھرے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے قتل کا منتظر تھا کہ ان کے قتل کے بہانے اپنا مقصد حاصل کرے۔ آخر کار حضرت عثمانؓ قتل ہوا اور معاویہ نے فوراً اس واقعے کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ دوسری طرف لوگ قتل حضرت عثمان کے بعد حضرت علیؑ (جو مختلف وجوہات کی بنا پر منصب خلافت سے انکار کرتے تھے) کے اردگرد جمع ہوئے اور اصرار بڑھ گیا۔ حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ ذمہ داری براہِ راست ان کی طرف متوجہ ہے خلافت کو قبول فرمایا۔

ظاہری خلافت کا اعلان مدینہ میں ہوا جو اس وقت راجدھانی اور مرکز تھا وسیع وعریض اسلامی ملک کے تمام صوبوں اور شہروں نے اطاعت قبول کی۔ صرف شام معاویہ کے اختیار میں رہا۔ معاویہ نے مرکزی حکومت کے حکم سے بغاوت کی اور الزام لگایا کہ اس نے قاتلانِ حضرت عثمان کو پناہ دی ہے۔ معاویہ شام کی آزاد حکومت کے لئے تیاری کرنے لگا اور کافی تعداد میں شامی فوج بھی مہیا کر لی۔

حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل سے فارغ ہونے کے بعد معاویہ کی طرف متوجہ ہوئے اور معاویہ سے خط وکتابت کی لیکن علیؑ کے نصیحت آمیز خطوط کا معاویہ پر کوئی اثر نہ ہوا اور دونوں طرف سے کافی تعداد میں لشکر ایک دوسرے کی جانب بڑھے۔ معاویہ کا ہراول دستہ ابوالاعور سلمی کی سرپرستی میں مقابلے کے لئے چل پڑا اور مالک اشتر نخعی حضرت علی علیہ السلام کی جانب سے (مقدمتہ الجیش) اور ہراول دستے کی حیثیت سے ایک لشکر کے ساتھ

روانہ ہوئے۔ دونوں طرف کے ہراول دستے فرات کے کنارے آمنے سامنے ہوئے۔ لیکن مالک اشتر کو بغیر حکم امامؑ جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی۔

ابوالاعور نے موقع سے فائدہ اٹھا کر سخت حملہ کیا لیکن اس کا حملہ مالک اشتر اور انکے ساتھیوں نے دفع کیا جس کے نتیجے میں شامی فوج کافی پیچھے دھکیلی گئی۔ ابوالاعور اپنا مقصد حاصل کرنے اور حریف کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے لئے ''شریعہ'' (وہ جگہ جہاں دونوں لشکر پانی لینے جاتے تھے) پہنچا اور اپنے تیراندازوں اور نیزہ برداروں کو مامور کیا تا کہ اس جگہ کو محفوظ رکھیں اور مالک اشتر اور ان کے ساتھیوں کو نہ آنے دیں۔ ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ معاویہ اپنے لشکر کے ساتھ پہنچا اور ابوالاعور کی پیش قدمی سے خوش ہوا۔ معاویہ نے مزید اطمینان کے لئے اور فوج ابوالاعور کے ساتھ کر دی۔ علیؑ کے اصحاب پانی کی قلت اور تنگی میں مبتلا ہو گئے۔

اس واقعہ کے پیش آنے سے شامی خوش وخرم تھے اور معاویہ بھی خوشی کے ساتھ کہنے لگا: ''یہ ہماری پہلی کامیابی ہے۔'' صرف عمرو ابن عاص نے جو معاویہ کا نائب اور مشیر خاص تھا اس کام کو اچھا نہ سمجھا۔ دوسری طرف حضرت علیؑ خود پہنچے اور حالات سے باخبر ہوئے اور ایک خط اپنے محترم صحابی صعصعہ کے ذریعہ سے معاویہ کو بھیجا اور تذکر دیا کہ ''ہم یہاں آ گئے ہیں، لیکن ہماری کوشش یہی ہے کہ جنگ نہ چھڑنے پائے اور مسلمانوں میں کشت وخون نہ ہو۔ ہمیں امید ہے کہ اختلافات کو بات چیت کے ذریعہ سے حل کریں، لیکن میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تو اور تیرے پیروکاروں نے ہر چیز سے پہلے اسلحہ سے کام لیا ہے۔ اس کے علاوہ میرے ساتھیوں پر ''پانی'' بند کر دیا ہے۔ تو انہیں حکم دے کہ اس کام سے باز آئیں تا کہ گفتگو شروع کی جائے۔ ہاں اگر تو جنگ ہی پر تلا ہوا ہے تو مجھے کسی چیز سے خوف نہیں۔''

یہ خط معاویہ تک پہنچا۔ اس نے مشیروں سے اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ عام مشیروں کا خیال یہ تھا کہ اچھا موقع ہاتھ آیا ہے اس سے استفادہ کرنا چاہیے اور خط کا اثر نہ لینا

چاہیے۔ صرف عمرو عاص اس نظریہ کا مخالف تھا اور اس نے کہا تم لوگ غلطی کر رہے ہو۔ چونکہ علیؑ اور ان کے اصحاب جنگ وخونریزی میں پہل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اس لئے فی الحال خاموش ہیں اور چاہتے ہیں کہ خط وکتاب کے ذریعہ تم کو تمہارے ارادے سے باز رکھیں۔

یہ سوچنا بھی نہیں کہ اگر تم ان کے خط کا اثر نہ لوگے اور اسی طرح ان لوگوں کو قحطِ آب میں مبتلا رکھو گے تو وہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں گے۔ لیکن اگر خط وکتاب سے بات حل نہ ہوئی تو اس وقت وہ شمشیر سے کام لیں گے اور اس وقت تک تلوار نیام میں نہیں رکھیں گے جب تک تم کو رسوائی کے ساتھ فرات سے دور نہ کر دیں۔ لیکن اکثر مشیروں کی رائے یہ تھی کہ پانی کی قلت (بندش) سے علیؑ اور ان کے اصحاب کے پیر اکھڑ جائیں گے اور مجبور ہو کر شکست کھائیں گے۔ معاویہ بھی بذاتِ خود اس نظریہ کا قائل تھا۔

جب یہ میٹنگ برخواست ہوئی تو صعصعہ خط کے جواب کے لئے معاویہ کے پاس گئے۔ معاویہ جواب دینا نہیں چاہتا تھا، اسی لئے کہا جواب بعد میں دونگا۔ اسی ضمن میں حکم دیا کہ ''پانی کے گھاٹ'' پر پوری طرح کنٹرول رکھا جائے اور لشکر علیؑ کی آمدورفت پر سخت پہرہ بٹھا دیا جائے۔ حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ لشکرِ مخالف سے نیکی کی تمام امیدیں ختم اور مشکلات کا حل سوائے جنگ اور زور آزمائی کے ممکن نہیں تو آپ کو بہت افسوس ہوا اور اپنے لشکر کے سامنے تشریف لائے اور ایک پرجوش اور ولولہ انگیز خطبہ دیا آپ نے فرمایا:

''ان لوگوں نے ظلم اور تجاوز شروع کر کے محاذِ جنگ کھول دیا ہے۔ تمہارے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا ہے۔ یہ لوگ جنگ وخونریزی کو اس طرح چاہتے ہیں جیسے کوئی بھوکا کھانا چاہ رہا ہو۔ پینے کا پانی بھی تم پر بند کر دیا ہے، اب صرف دو ہی راستے ہیں جسے چاہو اختیار کرو۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں۔ یا ذلت اختیار کرو اور اسی طرح پیاسے رہو؛ یا پھر اپنی تلواروں کی پیاس ان کے نجس خون سے بجھاؤ تا کہ خود پانی سے سیراب ہو سکو فاتح وغالب ہونا ہی زندگی ہے اگر چہ سر وتن میں جدائی ہی کیوں نہ ہو۔

ذلت ورسوائی کے ساتھ زندہ رہنا موت ہے آگاہ ہوجاؤ کہ معاویہ نے گمراہ اور ذلیل لشکر اپنے گرد جمع کر رکھا ہے تاکہ ان کی جہالت اور بے خبری سے استفادہ کرے یہاں تک کہ وہ بدبخت اپنی جانیں دینے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔[1] اس پرجوش خطبہ نے لشکرِ علیؑ میں عجیب جوش وجذبہ پیدا کیا وہ لڑنے اور پیکار کے لئے آمادہ ہوگیا۔ انہوں نے ایک زبردست حملہ کرکے دشمن کی فوج کو کافی دور تک بھگا دیا اور ''شریعہ'' (پانی کے گھاٹ) پر قابض ہوگئے۔ اس وقت جبکہ عمروعاص کا کہا پورا ہوا تو اس نے معاویہ سے کہا کہ اگر اب علیؑ اور ان کے ساتھی بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کریں جیسا تو نے ان کے ساتھ کیا تھا تو پھر تو کیا کرے گا؟ کیا پانی کے گھاٹ کو دوبارہ واپس لے سکے گا؟ معاویہ نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے: علیؑ ہمارے ساتھ کیسے پیش آئیں گے؟

عمروعاص نے کہا میرے خیال میں حضرت علیؑ تجھ جیسی حرکت کرکے ہم کو پانی کی شدت میں مبتلا نہیں کریں گے۔ وہ ایسے کاموں کے لئے نہیں آئے ہیں۔ حضرت علیؑ کی فوج نے معاویہ کے ساتھیوں کو گھاٹ سے بھگانے کے بعد علیؑ سے معاویہ کے ساتھیوں پر پانی بند کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: انہیں نہ روکو! ہم ایسی جاہلانہ حرکتوں پر عمل نہیں کریں گے بلکہ موقع سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں سے کتاب خدا کے مطابق گفتگو شروع کریں گے۔ اگر ہمارے صلاح ومشورہ کو مانیں تو بہت اچھا اور اگر نہ مانیں تو پھر ہم ان سے مردانہ وار جنگ کریں گے نہ یہ کہ دشمن پر پانی بند کرکے ایسے کاموں میں ملوث ہوں اور نہ کسی کو پانی کی تنگی میں مبتلا کریں گے۔''

اس دن ابھی شام نہ ہوئی تھی کہ علیؑ اور معاویہ دونوں کے فوجی آآکر پانی بھرنے لگے اور کسی نے معاویہ کے سپاہیوں کو پانی لینے سے نہیں روکا۔[2]

[1] نہج البلاغہ خطبہ 51

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید خطبہ 51، جلد 1 ص 419 تا ص 428، مطبوعہ بیروت

زمانہ کی شکایت

مفضل بن قیس زندگی کی دشواریوں سے دوچار تھے اور فقر وتنگ دستی، قرض اور زندگی کے اخراجات کے سبب سے بہت پریشان تھے۔ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے اور اپنی بے چارگی وپریشانی بیان کی کہ (اتنا مجھ پر قرض ہے) اور میں انہیں جانتا کہ کس طرح ادا کروں اتنا خرچ ہے لیکن آمدنی کا کوئی وسیلہ نہیں، مجبور ہو چکا ہوں، حیران ہوں کیا کروں، میں ہر کھلے ہوئے دروازہ پر گیا لیکن میرے جاتے ہی وہ بند ہوگیا۔''

اور آخر میں اس نے امام علیہ السلام سے یہ درخواست کی کہ اس کے لئے دعا فرمائیں اور خداوند عالم سے چاہیں کہ اس کی مشکل آسان کرے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کنیز کو حکم دیا (جو کہ وہاں موجود تھی) جاؤ اور وہ اشرفیوں کی تھیلی لے آؤ جو کہ منصور نے میرے لئے بھیجی ہے۔ وہ کنیز گئی اور فوراً اشرفیوں کی تھیلی لے کر حاضر ہوئی، امام علیہ السلام نے مفضل بن قیس سے فرمایا کہ: ''اس تھیلی میں چار سو دینار ہیں جو کہ تمہاری زندگی کے لئے کچھ دن کا سہارا بن سکتے ہیں۔ مفضل نے کہا کہ حضورؑ میری مراد یہ نہ تھی، میں فقط دعا کا خواہاں تھا۔''

امام علیہ السلام نے فرمایا بہت اچھا میں دعا بھی کروں گا، لیکن یہ بات تم سے کہوں کہ ہرگز اپنی سختیاں اور پریشانیاں لوگوں پر ظاہر نہ کرو، کیونکہ اس کا پہلا اثر تو یہ ہوگا کہ لوگوں پر ظاہر ہوجائے گا کہ تم زمین پر گر چکے ہو اور زمانے کے مقابلے میں شکست کھا چکے ہو، نظر سے گر جاؤ گے، اور تمہاری شخصیت ووقار ختم ہوجائے گا۔''[3]

[3] ''الا تخبر الناس بکل ما انت فیہ فتھون علیھم'' (بحار الانوار) جلد 11، صفحہ 114

استاد کا عتاب

سید جواد عاملی، ایک معروف فقیہ تھے کہ جنہوں نے کتاب مفتاح الکرامتہ تحریر فرمائی ہے، ایک دن کھانے میں مشغول تھے کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنی، جس وقت یہ جانا کہ ان کے استاد سید مہدی بحر العلوم کا خادم دروازہ پر ہے تیزی سے دروازہ کی جانب دوڑے، خادم نے کہا ''کہ حضرت استاد نے آپ کو فوراً بلایا ہے، دستر خوان ان کے سامنے لگایا جا چکا ہے لیکن وہ اس وقت تک کھانے کو ہاتھ نہ لگائیں گے جب تک آپ نہ پہنچ جائیں۔''

دیر کی گنجائش نہ تھی، سید جواد بغیر کھانا تمام کیے جلدی سے سید بحر العلوم کے گھر پہنچے جونہی استاد نے سید جواد کو دیکھا غصہ اور بیسابقہ رنجیدہ حالت میں فرمایا: اے سید جواد، کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ اور خدا سے شرم نہیں کرتے؟ سید جواد حیرت و تعجب کے سمندر میں غرق ہو گئے کہ آخر کیا ہوا اور کون سا حادثہ رونما ہوا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ استاد اس طرح مورد عتاب اور سرزنش قرار دیتے، انہوں نے اپنے دماغ پر بہت زور دیا تاکہ کوئی سبب معلوم ہو جائے، مجبور ہو کر سوال کیا ''اگر ممکن ہو تو حضرت استاد فرمائیں کہ بندہ سے کونسی غلطی سرزد ہوئی ہے؟''

تمہارا فلاں پڑوسی سات دن سے چاول اور گیہوں حاصل نہیں کر سکا اور اس مدت میں انہوں نے گلی کے آخری حصہ میں جو دوکاندار ہے اس سے کھجوریں ادھار لے کر زندگی بسر کی ہے۔ آج جب وہ قرض لینے گیا قبل اس کے کہ وہ سوال کرتا دوکاندار نے یہ کہہ کر اس کو مایوس کر دیا کہ تم پر قرض زیادہ ہو گیا ہے وہ یہ جملہ سن کر شرمندگی سے سر نہ اٹھا سکا اور خالی ہاتھ گھر واپس آ گیا آج وہ اور اس کے عیال بھوکے ہیں۔ سید جواد عاملی نے کہا کہ خدا کی قسم اس واقعہ کی مجھ کو بالکل خبر نہیں تھی، اگر مجھ کو معلوم ہوتا تو میں ضرور ان کی مدد

کرتا، ''میرا غم و غصہ اسی لئے ہے کہ آخر تم کیوں اپنے پڑوسی کی حالت سے انجان ہو؟ اور کیوں سات دن و رات انہوں نے اس صورت سے بسر کیے اور تم کو خبر بھی نہ ہوئی؟'' اور اگر اطلاع ہوتی اور تم کوئی قدم نہ اٹھاتے تو تم پر مسلمان نہیں بلکہ یہودی کا حکم اطلاق ہوتا۔ آپ فرمائیں میں کیا کروں؟

''میرا نوکر یہ غذا کی ٹرے اٹھائے گا اس کے ہمراہ تم بھی اس شخص کے گھر تک جاؤ، خادم دروازے سے واپس لوٹے گا اس کے بعد تم دروازہ کھٹکھٹانا اور اس سے خواہش کرنا کہ آج شام کا کھانا مل کر کھائیں گے اور یہ پیسے لو اس کے فرش یا بوریئے کے نیچے رکھ دینا اور اس سے معذرت کرنا کہ پڑوسی ہوتے ہوئے بھی اس کا خیال نہیں کر سکے، سینی وہیں رکھ کر آؤ میں یہاں بیٹھا ہوں اور اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم واپس نہیں آؤ گے اور ہمیں اس مرد مومن کی خبر نہیں دیں گے۔ نوکر نے مختلف قسم کے اچھے کھانوں کی سینی اٹھائی اور سید جواد کے ہمراہ روانہ ہو گیا۔''

دروازے کے قریب پہنچ کر خادم واپس لوٹا اور سید جواد اجازت حاصل کرنے کے بعد گھر میں داخل ہوئے، صاحب خانہ نے سید جواد کی معذرت سنی اور ان کی درخواست پر کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا، پہلے ہی لقمہ کے بعد محسوس کیا کہ یہ سید جواد کے گھر کا کھانا نہیں ہے) فوراً کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا: ''یہ کسی عرب کے ہاتھ کا کھانا نہیں ہے۔''

لہٰذا تمہارے گھر سے نہیں آیا۔ ''جب تک یہ نہ بتاؤ گے کہ یہ کھانا کہاں کا ہے ہم ہاتھ نہیں لگائیں گے اس شخص کا انداز بالکل صحیح تھا، کھانا بحر العلوم کے گھر تیار ہوا تھا اور وہ اصلاً ایرانی اور بروجرد کے رہنے والے تھے، سید جواد نے بہت اصرار کیا کہ تمہیں اس سے کیا سروکار کہ یہ کھانا کہاں تیار ہوا، تم کھانا کھاؤ، مگر وہ آمادہ نہ ہوا اور کہا جب تک حقیقت نہ بتاؤ گے دستر خوان کی طرف ہاتھ بڑھاؤں گا۔'' سید جواد نے دیکھا بغیر بتائے ہوئے کام نہیں

چلے گا تو شروع سے آخر تک کا ماجرا بیان کر دیا۔اس شخص نے ماجرا سننے کے بعد کھانا کھایا مگر سخت حیرت میں پڑ گیا اور کہا ہم نے یہ راز کسی سے نہیں کہا یہاں تک کہ اپنے نزدیک ترین پڑوسیوں سے بھی پوشیدہ رکھا ہے،معلوم نہیں سید کو کہاں سے خبر ہوگئی۔'' [1]

سرخدا که عارف سالک به کس نگفت
درحیرتم که باده فروش از کجاشنید؟

[1] الکنی والالقاب،محدث قمی،جلد2،صفحہ62

افطاری

انسؓ بن مالک مدتوں پیغمبرؐ خدا کے خدمت گذار تھے اور پیغمبرؐ خدا کی حیات کے آخری دنوں تک اس افتخار سے سرفراز تھے وہ دوسروں کے بہ نسبت پیغمبرؐ کے عادات واخلاق سے زیادہ آشنا تھے، انہیں معلوم تھا کہ پیغمبرؐ لباس وخوراک کے سلسلہ میں کتنی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں جن دنوں روزہ رکھا کرتے تھے تو افطاری اور سحر میں صرف تھوڑا سادودھ یا شربت ہوتا تھا یا معمولی سا ترید(شوربہ) کھانا ہوتا تھا اور کبھی الگ الگ افطار وسحر کے لئے یہ معمولی غذا مہیا ہوتی تھی۔ایک رات حسب معمول انسؓ بن مالک نے تھوڑا سا دودھ یا کوئی چیز رسولؐ کے افطار کے لئے تیار کی، لیکن اس دن رسول اکرمؐ افطار کے لئے تشریف نہ لائے شب کا کافی حصہ گذر گیا لیکن رسول مقبولؐ گھر تشریف نہ لائے انسؓ بن مالک مطمئن ہو گئے کہ شاید رسول اکرمؐ نے کسی صحابی کی دعوت قبول فرمائی ہے اور وہیں افطار فرمالیا ہے۔

اسی وجہ سے جو کچھ تیار کیا تھا کھالیا، ابھی زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ رسول اکرمؐ گھر تشریف لائے۔حضرت انسؓ نے اس شخص سے جو رسولؐ خدا کے ساتھ تھا سوال کیا، آج پیغمبرؐ نے کہاں افطار فرمایا، اس نے جواب دیا ابھی افطار نہیں کیا، کچھ مصروفیات پیش آئیں جس کی وجہ سے آنے میں دیر ہوگئی، انس اپنے کام پر بہت ہی شرمسار اور پشیمان ہوا اس لئے کہ رات ہو چکی تھی اور اب کچھ تیار کرنا ممکن نہ تھا، انتظار کر رہا تھا کہ رسولؐ کھانے کے لئے کہیں اور وہ اپنے عمل کی معذرت کرے، لیکن ادھر رسول اکرمؐ نے قرائن سے اندازہ لگالیا کہ کیا ہوا ہے، آپؐ نے کھانے کا نام بھی نہیں لیا اور بھوکے بستر پر تشریف لے گئے، انس کا بیان ہے کہ رسولؐ جب تک زندہ تھے اس شب کے قضیے کا کبھی بھی تذکرہ اور کبھی مجھے احساس نہ ہونے دیا۔

بزاز کا نوکر

بزاز کا نوجوان نوکر، اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کے لئے کیا جال بچھایا جارہاہے، وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ خوبصورت عورت جو کپڑے کی خریداری کے بہانہ اس کی دوکان پر آتی رہتی ہے اس کی عاشق ہوچکی ہے اور دل دے بیٹھی ہے، اس کے دل میں عشق وہوس اور تمناؤں کا طوفان موجیں ماررہاہے۔

ایک دن وہی عورت دوکان پر آئی اور مختلف قسم کے کپڑے علیٰحدہ کرنے کی فرمائش کی، اس وقت یہ عذر پیش کیا کہ میں اس کپڑوں کو نہیں اٹھاسکتی اور پیسے بھی ساتھ نہیں لائی ہوں اور اس نے کہا کہ کپڑے ان نوجوان کے ہاتھ پہنچا دیجئے اور وہیں روپئے بھی لے لے۔ اس عورت نے تمام انتظامات پہلے ہی مرتب کئے تھے، گھر خالی تھا صرف چندراز دار کنیزیں گھر میں تھیں۔ محمد بن سیرین جس نے جوانی کی منزلوں میں قدم رکھا تھا اور حسن وجمال سے بھی بے بہرہ نہ تھا۔ کپڑوں کو کاندھے پر رکھا اور اس عورت کے ساتھ آیا جیسے ہی گھر میں داخل ہوا پیچھے سے دروازہ بند ہوگیا، محمد بن سیرین کو ایک آراستہ کمرے میں لایا گیا وہ اس انتظار میں تھا کہ یہ خاتون جلد آجائے اور جنس کو اپنی تحویل میں لے لے اور قیمت ادا کرے، انتظار کرتے کرتے دیر ہوگئی اور مدت کے بعد پردہ اوپر اٹھا اور وہ عورت کمال آرائش کے بعد سج دھج کے اندر آئی اور ہزاروں نازوادا کے ساتھ کمرے میں قدم رکھا محمد بن سیرین ایک لمحہ میں سمجھ گیا کہ ایک پرفریب جال اس کے لئے بچھایا گیا ہے، اس نے سوچا وعظ ونصیحت یا منت وسماجت کے ذریعہ اس عورت کو ٹال دے لیکن یہ ساری چیزیں بے کار نظر آئیں۔ عورت نے اپنے عشق کی داستان سنائی اور اس سے کہا (میں تمہارے کسی جنس کی خریدار نہیں تھی بلکہ تمہاری خریدار تھی) محمد بن سیرین نے نصیحت اور موعظہ کے لئے زبان کھولی خدا اور قیامت سے ڈرایا لیکن اس کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا منت وسماجت کی وہ

بھی بے سود رہی، اس عورت نے کہا میری خواہش پوری کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور جب دیکھا کہ محمد بن سیرین اپنے عقیدہ میں اٹل ہے تو اسے دھمکی دی اور کہا اگر میرے عشق کا احترام نہ کیا اور مری خواہش پوری نہ کی تو ابھی شور مچادوں گی کہ یہ نوجوان میرے بارے میں غلط ارادہ رکھتا ہے، پھر معلوم ہے تمہارا انجام کیا ہوگا؟

محمد بن سیرین کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ایک طرف ایمان، عقیدہ اور تقویٰ اس کو حکم دے رہا تھا کہ اپنے پاک دامن کی حفاظت کرو اور دوسری طرف عورت کی خواہش سے انکار جان وعزت بلکہ ہر چیز سے بازی لگانے کے مترادف تھا، اس نے دیکھا کہ اظہارِ تسلیم کے بغیر کوئی چارہ نہیں لیکن اچانک ایک تدبیر اس کے ذہن میں آئی۔ اس نے سوچا ایک راستہ ابھی باقی ہے، ایسا کام انجام دینا چاہیے جس سے اس کی محبت نفرت میں تبدیل ہوجائے اور خود ہی اپنے ارادے سے باز آجائے، اگر اس وقت دامنِ تقویٰ کو گناہ کی آلودگی سے بچانا ہے تو ظاہری آلودگی کو برداشت کرنا ہوگا، رفع حاجت کے بہانے کمرے سے باہر نکلا اور اپنے جسم ولباس کو گندگی میں بھرا اور جب اس حالت میں کمرہ میں داخل ہوا اور عورت کی نگاہ اس پر پڑی تو فوراً اپنا رخ اس نوجوان کی طرف سے موڑ لیا اور اسے گھر سے باہر نکال دیا۔ [1]

[1] الکنی والالقاب، جلد 1، صفحہ 313

ستاروں کے حالات

عبدالملک بن اعین جو کہ زرارہ بن اعین کے بھائی تھے۔ راوی حدیث ہونے کے باوجود ستاروں کے احکام ان کی تاثیر اور کیفیت پر اعتقاد کامل رکھتے تھے اس موضوع پر بہت سی کتابیں جمع کر رکھی تھیں اور ہر مسئلے کے لئے ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، وہ جو ارادہ کرتے اور جو کام بھی کرنا چاہتے، پہلے علم نجوم کی کتابوں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ستاروں کا حساب کتاب لگاتے تا کہ دیکھیں کہ ستاروں کی حالت کیا حکم کرتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اس کام کے عادی ہوگئے اور اس عادت نے ایک قسم کا وسواس ان میں پیدا کر دیا۔ اس طرح کہ تمام کاموں میں نجوم کی جانب رجوع کرتے۔

انہوں نے محسوس کیا کہ اس کام کی وجہ سے ان کی زندگی مفلوج ہوگئی اور دن بدن ان کے وسوسہ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور اگر یہی کیفیت باقی رہی اور انہوں نے ایام اور ساعات سعد ونحس اور نیک اور بدطالع اور اسی طرح کے اور امور کو زندگی میں مؤثر جانا تو ان کی زندگی کا نظام درہم برہم ہوجائے گا اور دوسری طرف وہ ان امور کی تاثیر سے مخالفت کی طاقت اپنے میں نہیں پا رہے تھے، اور ہمیشہ ان لوگوں پر جو ان امور کی پرواہ کئے بغیر اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں اور خدا پر بھروسہ کرتے ہیں رشک کرتے تھے۔ ”ایک دن اس شخص نے اپنے حالات امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیان کیے اور عرض کرنے لگا“ کہ امیں اس علم میں مبتلا ہوگیا ہوں جس کی وجہ سے میرے ہاتھ پیر بندھ ہوچکے ہیں اور میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ اس سے دست بردار ہوجاؤں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بکمال تعجب اس سے سوال فرمایا! تو ان چیزوں پر اعتقاد رکھتا ہے اور اس پر

عمل کرتا ہے؟ ”ہاں اے فرزند رسولؐ۔“[1]

امام علیہ السلام نے فرمایا، میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ جاؤ اور ان تمام کتابوں کو آگ لگا دو۔ امام علیہ السلام کے فرمان نے اس کے دل کو مضبوط کیا وہ روانہ ہوا اور ان تمام کتابوں کو نذرِ آتش کر کے سکون حاصل کیا۔

[1] وسائل الشیعہ جلد 2 صفحہ 181۔

ستارہ شناس

حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اور ان کے سپاہی گھوڑوں پرسوار نہروان کی طرف روانہ ہونا ہی چاہتے تھے کہ اچانک اصحاب میں سے ایک اہم شخصیت پہنچی اور اپنے ساتھ ایک شخص کو لائی اور کہا:

''یاامیرالمومنینؑ یہ شخص ''ستارہ شناس'' ہے اور آپ کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے'' ستارہ شناس: ''یاامیرالمومنینؑ آپ اس وقت سفر نہ فرمائیں، کچھ دیر ٹھہر جائیں یہاں تک کہ دن کے دوتین گھنٹے گذر جائیں۔ اس کے بعد تشریف لے جائیں۔''

''کیوں''

''چونکہ ستاروں کی کیفیت یہ بتارہی ہے کہ جو شخص بھی اس وقت روانہ ہوگا وہ دشمن کے مقابلے میں شکست سے دوچار ہوگا۔ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لیکن اگراس وقت جس کے لئے میں نے کہا ہے سفر فرمائیں گے تو فتح یابی اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں گے۔''

''یہ میری سواری (گھوڑی) حاملہ ہے اور کیا یہ بتاسکتے ہو کہ اس کا بچہ نر ہے یا مادہ؟'' ''اگر حساب لگاؤں تو بتاسکتا ہوں۔'' ''جھوٹ بول رہے ہو، یہ تمہارے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ قرآن میں ہے: ہر پوشیدہ شئے کا خدا کے علاوہ کسی کو علم نہیں اور وہ خدا ہی ہے جسے یہ علم ہے کہ رحم میں پرورش پانے والا کیا ہے۔'' حضرت رسول خداصلعم نے بھی کبھی اس طرح کا دعوے نہیں کیا جو تو کر رہا ہے کیا تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ دنیا کے بارے میں تجھے ہر طرح کا علم ہے اور تو یہ جانتا ہے کہ کس وقت برائی اور کس وقت اچھائی مقدر میں ہوتی ہے اور اگر کوئی تیرے اس علم پر اعتماد و اعتقاد کرے تو پھر

اسے خدا کی ضرورت نہیں۔''

''اس کے بعد حضرتؑ نے لوگوں سے خطاب فرمایا: خبردار! ہرگز ان چیزوں کے پیچھے نہ جانا اس سے انسان غیب گوئی اور کیانت میں مبتلا ہوتا ہے اور کاہن جادوگر کے مثل ہے اور جادوگر کافر کے مانند ہے اور کافر کے لئے جہنم ہے۔'' اس کے بعد آپؑ نے آسمان کی طرف رخ کر کے چند جملے دعا کے فرمائے جو کہ خدا پر توکل اور اعتماد کے سلسلے میں تھے۔

پھر ستارہ شناس کی طرف رُخ کر کے فرمایا: ''میں خاص طور سے تیرے دستور کے خلاف عمل کروں گا اور بغیر کسی تاخیر کے ابھی روانہ ہوں گا۔'' اس کے فوراً بعد روانگی کا حکم دیا اور دشمن کی جانب روانہ ہوئے۔ دوسرے اور جہاد کے مقابلے میں اس جہاد میں زبردست کامیابی و کامرانی امامؑ کو نصیب ہوئی۔[1]

[1] نہج البلاغہ خطبہ 77، وسائل الشیعہ جلد 2 صفحہ 181

حاجت روائی

صفوان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک مکہ کا رہنے والا ایک شخص امامؑ کے پاس حاضر ہوا اور جس مشکل میں وہ گرفتار تھا اسے امامؑ سے بیان کیا۔ معلوم ہوا کہ کرایہ کا مسئلہ درپیش ہے اور کام مشکل میں پھنس گیا ہے، امامؑ نے صفوان کو حکم دیا: ''فوراً جاؤ اور برادرِ مومن کی اس کے کام میں مدد کرو۔''

صفوان روانہ ہوئے اور توفیق خداوندی سے کام کو صحیح اور مشکل کو آسان کر کے جب امامؑ کی خدمت میں واپس ہوئے تو امامؑ نے سوال کیا: ''کیا ہوا؟''

''خداوند عالم نے مسئلہ کو حل کر دیا۔'' ''واضح رہے کہ یہی کام جو بظاہر معمولی ہے کہ کسی کی حاجت پوری کی اور اپنا مختصر سا وقت اس میں صرف کیا۔ اس کا ثواب خانہ کعبہ کے سات مرتبہ طواف سے زیادہ محبوب اور افضل ہے۔'' اس کے بعد امام علیہ السلام نے اپنی گفتگو اس طرح جاری رکھی۔

''ایک شخص مشکل میں گرفتار تھا اور حضرت امام حسنؑ کے پاس آیا اور اس نے امامؑ سے مدد چاہی۔ امامؑ نے بغیر کسی تاخیر کے نعلین پہنے اور اس کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ راستے میں امام حسینؑ کو دیکھا جب کہ وہ نماز میں مشغول تھے امام حسنؑ نے اس شخص سے فرمایا: ''تو نے کیسے غفلت کی اور حسینؑ بن علیؑ کے پاس نہیں گیا۔''

اس نے کہا: ''پہلے میں یہی چاہ رہا تھا کہ امام حسینؑ کے پاس جاؤں اور ان سے مدد حاصل کروں لیکن جب لوگوں نے یہ کہا کہ وہ اعتکاف میں ہیں اور مصروف ہیں میں انکی خدمت میں نہیں گیا۔'' امام حسنؑ نے فرمایا: لیکن اگر امام حسینؑ کو تیری حاجت پوری کرنے کا موقع ملتا تو وہ ایک ماہ کے اعتکاف سے زیادہ بہتر تھا۔'' [۱]

[۱] کافی جلد 2 باب السعی فی حاجۃ المومن ص198

بڑا عابد کون؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جو کہ معمول کے مطابق ہمیشہ آپ کے درس میں شرکت کیا کرتے تھے اور دوستوں کی محفلوں میں بیٹھتے تھے اور ان کے یہاں آتے جاتے تھے۔ ایک دفعہ مدت سے ان کو نہیں دیکھا گیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب اور ان کے دوستوں سے معلوم کیا: ''کیا تم جانتے ہو کہ فلاں شخص کہاں ہے جس کو کافی عرصہ سے دیکھا نہیں گیا؟''

''اے فرزند رسولؐ! آج کل وہ بہت تنگدست اور فقیر ہو گیا ہے۔''

''پھر کیا کرتا ہے؟''

''کچھ بھی نہیں، گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر مستقل عبادت میں مشغول رہتا ہے۔''

''پھر اس کے اخراجات پورے کیسے ہوتے ہیں؟''

''اس کا ایک دوست اس کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔''

''خدا کی قسم اس کا یہ دوست اس عابد سے بدرجہا عابد تر ہے۔'' [۲]

[۲] وسائل الشیعہ، جلد 2، ص529

سکندر اور دیوژن

جس وقت سکندر مقدونی بادشاہ ایران پر حملہ کے لئے یونانی فوج کا سپہ سالار منتخب ہوا تو ہر طبقے کے لوگ اس کے پاس مبارک باد دینے کے لئے آئے۔لیکن دیوگنیس (دیوژن) مشہور یونانی فلسفی جو کہ کورینٹ نامی جگہ پر زندگی بسر کر رہا تھا، اس نے ذرہ برابر بھی اس کی طرف توجہ نہ کی۔سکندر بذات خود اس کی ملاقات کو گیا۔دیوژن یونان کے ان فلاسفہ میں سے تھا جن کی عادت قناعت و بے نیازی اور آزادی طبع کے ساتھ ساتھ حرص وطمع سے دوری تھی۔

دیوژن دھوپ میں لیٹا ہوا تھا۔جب اس نے ایک بڑے مجمع کو اپنی طرف آتے ہوئے محسوس کیا تو تھوڑا اٹھا اور سکندر کو شان وشوکت کے ساتھ آتے ہوئے دیکھ کر ٹکٹکی باندھ لی۔لیکن سکندر اور ایک عام آدمی کے درمیان جو اس کی تلاش میں آیا ہو اس نے کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھا اور اپنی بے اعتنائی و بے نیازی پر گامزن رہا۔سکندر نے اسے سلام کیا پھر کہا: ''اگر مجھ سے کچھ چاہتے ہو تو کہو۔''

دیوژن نے کہا: ''صرف ایک خواہش ہے وہ یہ کہ میں دھوپ کھا رہا تھا تم کچھ ہٹ کر رہو۔'' آفتاب کے سامنے کھڑے مت ہو یہ بات سکندر کے ساتھیوں کو بہت بری اور احمقانہ لگی۔ان لوگوں نے آپس میں کہا: عجیب بیوقوف آدمی ہے، جو اس سنہرے موقع سے فائدہ نہیں اٹھا رہا ہے۔لیکن سکندر جس نے اپنے آپ کو دیوژن کی عالی طبیعت اور بے نیازی کے مقابلے میں حقیر سمجھا گہری فکر میں ڈوب گیا۔واپس لوٹتے وقت اپنے ساتھیوں سے جو اس فلسفی کا مذاق اڑا رہے تھے کہا: ''اگر میں سکندر نہ ہوتا تو یقیناً میرا دل یہی چاہتا کہ دیوژن ہوتا۔''[1]

[1] تاریخ علم، تالیف جارج سائٹن، ترجمہ آقائے احمد آرام ص525

شاہ اور فلسفی

ناصر الدین شاہ خراسان کے سفر میں جس شہر میں داخل ہوتا تھا معمول کے مطابق تمام طبقات اور اصناف کے لوگ اس کے استقبال اور اسے دیکھنے کو جاتے تھے اور اس کی روانگی کے وقت لوگ اسے رخصت کرنے آتے، یہاں تک کہ وہ سبزوار پہنچا سبزوار میں بھی تمام لوگوں نے اس کا استقبال کیا اور ملاقات کے لئے آئے۔تنہا وہ شخص جو گوشہ نشینی اور کنارہ کشی کے بہانے استقبال وملاقات کو نہ آیا وہ مشہور ومعروف حکیم وفلسفی اور خدارسیدہ عارف حاجی ملاہادی سبزواری تھا۔اتفاق سے خراسان کے پورے سفر میں شاہ کا خیال جس شخصیت کو نزدیک سے دیکھنا اور ملاقات کرنا تھا وہ صرف اور صرف یہی محترم اور باعظمت شخصیت تھی۔یہی وہ شخص تھا جس نے دھیرے دھیرے پورے ایران میں عمومی شہرت حاصل کر لی تھی اور گردونواح سے طلباء ان کی خدمت میں درس کے لئے آتے تھے اور سبزوار میں بہت بڑا حوزہ علمیہ تشکیل پایا تھا۔

شاہ جو کہ لوگوں کے استقبال، ملاقاتوں، حاضری اور چاپلوسی سے تھک چکا تھا اس نے ارادہ کیا کہ خود فلسفی سے ملنے جائے۔لوگوں نے شاہ سے کہا: ''فلسفی، شاہ اور وزیر کے احترام کو نہیں جانتا۔''

شاہ نے کہا: ''لیکن شاہ تو فلسفی کی قدر ومنزلت کو جانتا ہے۔اس واقعہ کی اطلاع فلسفی کو دی گئی اور ملاقات کے لئے ایک وقت معین ہو گیا۔اس روز شاہ صرف اپنے ایک خادم کے ساتھ دوپہر کے وقت (فلسفی) کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ایک معمولی گھر تھا جس میں بہت ہی سادہ اور مختصر سامان زندگی تھا۔شاہ نے اپنی گفتگو کے دوران کہا، ہر نعمت ایک شکر رکھتی ہے، علم جیسی نعمت کا شکر پڑھانا اور ارشاد کرنا ہے۔مال کا شکر لوگوں کی مدد کرنا اور اعانت کرنا ہے، سلطنت وحکومت کا شکر حاجتوں کا پورا کرنا ہے۔لہٰذا میری خواہش یہ ہے کہ آپ مجھ سے کوئی فرمائش کریں تا کہ اس کو انجام دینے کی سعادت حاصل کروں۔''

"میری کوئی حاجت نہیں ہے اور کسی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس کھیتی کی ایک زمین ہے، اگر آپ اجازت دیں تو میں حکم دے دوں کہ اس کا ٹیکس (لگان) معاف کر دیا جائے۔"

"ٹیکس کا سرکاری ریکارڈ محفوظ ہے کہ کس شہر سے کتنی رقم وصول ہونی چاہیے تھوڑی سی رقم سے اس کے اصل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگر اس شہر میں مجھ سے ٹیکس نہیں لیا جائے گا۔ تو وہ پیسے دوسروں پر تقسیم ہو جائیں گے تاکہ وہ رقم جو سبزوار سے وصول ہونا چاہیے وہ پوری ہو جائے۔ شاہ اس بات سے راضی نہ ہوگا کہ مجھ کو ٹیکس کی چھوٹ دے دینے یا معاف کر دینے کی صورت میں بلاوجہ یتیموں اور بیواؤں پر بار لا دیا جائے۔ اس کے علاوہ حکومت کا فرض اور ذمہ داری لوگوں کے جان و مال کا تحفظ ہے اور اس کا خرچ بھی ہے جسے پورا ہونا چاہیے۔ ہم اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اس ٹیکس کو دیتے ہیں۔"

شاہ نے کہا: "میری تمنا ہے کہ آج آپ کے ساتھ کھانا کھاؤں اور عام طور پر جو آپ کھاتے ہیں میں بھی وہی کھاؤں گا۔ آپ حکم دیں کہ کھانا لائیں۔"

فلسفی نے وہیں بیٹھے بیٹھے آواز دی: "میری غذا لاؤ" فوراً کھانا لایا گیا۔ ایک لکڑی کی ٹرے جس میں چند روٹیاں، چند چمچے، ایک دہی کا پیالہ اور تھوڑا سا نمک دکھائی دے رہا تھا۔ بادشاہ اور فلسفی کے سامنے رکھ دیا گیا۔ فلسفی نے شاہ سے کہا:

کھائیے یہ حلال کی روٹی ہے۔ یہ اپنی محنت کا نتیجہ ہے۔ شاہ نے ایک چمچہ کھایا۔ لیکن دیکھا کہ اس طرح کی غذا کا عادی نہیں ہے اور وہ کھانا اس کی نظر میں کھانے کے قابل نہیں ہے۔ فلسفی سے اجازت لی کہ کچھ روٹی اپنے رومال میں بطور تبرک باندھ لے اور ساتھ لے جانے تھوڑی مدت کے بعد شاہ انتہائی حیرت اور تعجب کے عالم میں فلسفی کے گھر سے روانہ ہو گیا۔ [1]

[1] ریحانۃ الادب، جلد 2، ص 157-158۔ ذیل عنوان سبزواری

توحید مفضل

مفضل ابن عمر جعفی نماز عصر تمام کرنے کے بعد مسجد نبوی میں منبر رسولؐ اور قبر پیغمبرؐ کے درمیان بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ فکر کی دنیا میں غرق ہو گئے۔ ان کے افکار کا مرکز حضرت رسولؐ خدا کی عظیم شخصیت اور ان کی آسمانی عظمت تھی۔ جتنا زیادہ سوچتے اور فکر کرتے حضرت کی ذات اقدس کے بارے میں اور حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اپنے دل میں کہا: جتنا احترام اور تجلیل ان کا کیا جاتا ہے۔ ان کی قدر و منزلت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ لوگوں کو ان کی فضیلت اور شرف وعظمت کا جتنا علم ہے وہ اس سے بہت کم ہے جس کا انہیں علم نہیں ہے۔

مفضل انہیں افکار میں غرق تھے کہ ابن ابی العوجاء نظر آیا جو مشہور مادہ پرست تھا وہ آیا اور ایک کنارے بیٹھ گیا۔ ابھی دیر نہ گذری تھی کہ ابن ابی العوجاء کا ہم فکر اور ہم مسلک ایک اور ساتھی آ گیا اور اس کے قریب بیٹھا اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔

اس زمانے میں جب کہ عباسی خلافت کا ابتدائی دور تھا اسلامی ثقافت میں تبدیلی کا زمانہ تھا۔ اس زمانے میں خود مسلمانوں نے چند علمی موضوعات کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح یونانی، فارسی، اور ہندی زبانوں سے علمی اور فلسفی کتب کا ترجمہ ہوا یا ان کے ترجمے میں مصروف ہوئے۔ علم کلام اور فلسفی نظریات معرض وجود میں آئے عقائد اور نظریات کی جنگ کا زمانہ تھا۔ عباسی عقائد کی آزادی کا اس حد تک احترام کرتے تھے جہاں تک ان کی سیاست اور مفادات خطرے میں نہ پڑتے۔ غیر مسلم افراد حتیٰ کہ دہری اور مادہ پرست جنہیں اس زمانے میں (زنادیق) کہا جاتا تھا، آزادانہ اپنے عقائد کا اظہار کرتے تھے۔

یہاں تک کہ کبھی یہ گروہ مسجد الحرام (خانہ کعبہ کے قریب) یا مسجد نبوی (مدینہ) میں قبر پیغمبرؐ کے پاس جمع ہوتا اور اپنے عقائد پر گفتگو ہوتی۔ ابن ابی العوجاء اسی

گروہ سے تھا۔

اس دن ابن ابی العوجاء اور اس کا ساتھی دونوں تھوڑے فاصلے سے مسجد پیغمبرؐ میں وارد ہوئے اور ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔لیکن وہ اتنے دور نہ تھے کہ مفضل ان کی باتیں نہ سن سکیں۔اتفاق سے مفضل نے ابن ابی العوجاء کی پہلی وہ بات سنی جس کے بارے میں خود مفضل سوچ رہے تھے اور وہ موضوع حضرت رسولؐ خدا کی ذات گرامی تھی اس نے اپنے دوست سے کہا:

''اس شخص (حضرت رسولؐ خدا) کا مشن بہت آگے بڑھ گیا اور ایسی منزل پر پہنچا کہ اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا!''

اس کے ساتھی نے کہا:

''بہت باکمال تھا۔اس نے یہ دعوہ کیا کہ دنیا کے خالق سے وابستہ ہے اور ایسے عجیب وغریب کام بھی انجام دیے کہ جو انسانی قوت سے بالاتر اور عقل انسانی کے لئے حیرت انگیز تھے۔صاحبان عقل، ارباب علم وادب، فصحاء وخطباء نے اپنے آپ کو اس کے مقابل عاجز پاکر اس کی دعوت قبول کرلی۔اس کے بعد مختلف قسم اور طبقے کے لوگ جوق درجوق اس کے پاس آئے اور اس پر ایمان لائے اور اس کا مشن اس حد تک مقبول ہو چکا ہے کہ اس کا نام اس ذات کے اسم گرامی کے ساتھ لیا جانے لگا ہے جس کی طرف وہ اپنے کو رسول سمجھتے ہیں۔آج اس کا نام ہر شہر اور دیہات میں ''اذان'' کے عنوان سے جہاں بھی اس کا پیغام پہنچا ہے یہاں تک کہ سمندروں، صحراؤں، پہاڑوں پر لیا جاتا ہے۔سب جگہ پانچوں وقت ''اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ'' کی آواز سنائی دیتی ہے۔اذان واقامت میں اس شخص کا نام لیا جاتا ہے۔اس طرح وہ کبھی بھی بھلایا نہ جائے گا۔''

ابن ابی العوجاء نے کہا: ''محمد کے بارے میں اس سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہیے، میں ابھی تک اس پر اسرار شخصیت کا راز نہیں سمجھ سکا ہوں۔بہتر یہ ہے کہ مسبب

الاسباب اور خالق کائنات جس پر محمد نے اپنے دین اور تحریک کی بنیاد رکھی ہے کے بارے میں بحث کریں۔''

اس وقت ابن ابی العوجاء نے اپنے مادی عقیدے کے سلسلے میں جو اس بات پر مبنی ہے کہ تقدیر وتدبیر کا کوئی دخل نہیں بلکہ ہر چیز خود بخود ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔اسی موضوع پر گفتگو کی۔

جب اس کی بات اس منزل تک پہنچی تو مفضل سے برداشت نہ ہوسکا۔وہ بہت ہی غصے اور ہیجان کی حالت میں تھے اور انتہائی غضبناک لہجہ میں کہا: ''اے دشمن خدا! اپنے خالق اور پروردگار کا جس نے تجھے اچھی شکل وصورت میں پیدا کیا ہے منکر ہے؟ زیادہ دور نہ جاؤ خود اپنی ذات وحیات اور حواس کے بارے میں تھوڑا سا غور وفکر کرو تو اپنے مخلوق ومصنوع ہونے کے آثار پاؤ گے۔''

ابن ابی العوجاء نے جو مفضل کو نہیں پہچانتا تھا پوچھا: ''تم کون ہو اور تمہارا کس گروہ سے تعلق ہے؟ اگر تم علم کلام کے ماہر ہو تو علم کلام کے اصول وقواعد کی بنیاد پر تم سے بحث کریں۔اگر حقیقت میں تمہاری دلیل قوی ہوگی تو ہم بھی تمہاری پیروی کریں گے اور اگر تم علم کلام کے ماہر نہیں ہو تو تم سے ہم کوئی گفتگو نہیں کریں گے اور اگر اصحاب جعفر صادقؑ میں سے ہو تو وہ ہم سے اس لہجہ میں بات نہیں کرتے وہ کبھی ان باتوں سے زیادہ سخت اعتراضات ہم سے سنتے ہیں لیکن کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ وہ آپے سے باہر ہوجائیں اور مجھ سے اس طرح سختی سے پیش آئیں۔وہ کبھی غصہ نہیں ہوتے نہ ہی گالی دیتے ہیں بلہ وہ انتہائی صبر وتحمل اور سنجیدگی کے ساتھ ہماری باتوں کو سنتے ہیں وہ انتظار کرتے ہیں تا کہ ہم اپنے دل کو تمام باتیں بیان کردیں۔اور کچھ چھوٹنے نہ پائے اور جس وقت ہم اپنے اعتراضات اور دلیلیں بیان کرتے ہیں وہ اس طرح سے مطمئن اور خاموش ہوکر سنتے ہیں کہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری بات انہوں نے مان لی ہے۔

اس وقت مہربانی کے ساتھ مختصر اور پُرمعنی جملوں سے ہمارے راستے بند کرتے ہیں کہ ہمیں فرار کی گنجائش نہیں رہتی اگر تم ان کے صحابی ہو تو انہیں کی طرح بات کرو۔''

مفضل انتہائی رنجیدہ حالت میں جب کہ (وہ آگ بگولہ ہو گئے تھے) مسجد سے باہر نکل گئے۔ دل میں کہہ رہے تھے کہ عالم اسلام کے لیے عجیب امتحان کا دور ہے کہ اب نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ زندیق و دہریہ خیال کے لوگ مسجد میں بیٹھ کر بے پروائی کے ساتھ ہر چیز کا انکار کرتے ہیں۔ وہ سیدھے امام جعفر صادق علیہ السلام کے گھر پہنچے۔ امامؑ نے پوچھا:

''مفضل اتنے رنجیدہ کیوں ہو؟ کیا واقعہ پیش آیا ہے؟''

''اے فرزند رسولؐ! ابھی میں مسجد نبویؐ میں تھا کہ ایک دودھریہ آکر میرے پاس بیٹھ گئے۔ ان دونوں سے خدا اور رسولؐ کے انکار کے سلسلے میں میں نے ایسی باتیں سنیں کہ میں آگ بگولہ ہو گیا۔ انہوں نے اس طرح کی باتیں کیں اور میں نے ان کو اس طرح جواب دیا۔''

''پریشان نہ ہو، کل سے میرے پاس آنا میں تمہارے لئے توحید کے موضوع پر درس شروع کروں گا اور اس حد تک خلقت اور پیدائش اسی طرح اور موضوعات مثلاً جاندار و بے جان چرند و پرند، حلال و حرام اور نباتات و جمادات وغیرہ کے بارے میں الٰہی حکمتوں کو بیان کروں گا۔ کہ تمہارے اور ہر محقق اور حق تلاش کرنے والے کے لئے کافی ہوگا۔ جس سے ہر زندیق اور دہریہ حیرت میں پڑ جائے گا۔ کل میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

مفضل بے حد خوش ہو کر امامؑ سے رخصت ہونے اور اپنے دل میں کہہ رہے تھے کہ آج کی یہ رنجیدگی کس قدر نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ اس رات انہیں نیند نہیں آئی اور ساری رات صبح کے انتظار میں بسر کی تا کہ صبح ہوتے ہی امامؑ کی خدمت میں بلا تاخیر پہنچیں۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ آج کی رات دوسری تمام راتوں کے مقابلہ میں کچھ زیادہ طولانی

ہوگئی ہے۔ صبح ہوتے ہی امام کے دولت سرا پر حاضر ہوئے۔ اجازت لے کر داخل ہوئے اور امامؑ کی اجازت سے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد امامؑ اس کمرے کی طرف تشریف لے گئے جہاں مخصوص لوگ بیٹھے تھے مفضل بھی امامؑ کے اشارہ سے چل پڑے۔ اس وقت جب کہ امامؑ مفضل کے جذبات سے آگاہ تھے فرمایا:

''میرا خیال ہے کہ تم ساری رات انتظار کرتے رہے ہو اور سوئے نہیں۔ اس فکر میں کہ کب صبح ہو اور یہاں آئیں۔''

''جی ہاں ایسا ہی ہے کہ جیسا آپ فرما رہے ہیں۔''

''اے مفضل خداوند عالم تمام مخلوقات سے مقدم ہے اور وہی موجودات میں اول و آخر ہے۔''

''اے فرزند رسولؐ! اجازت دیجئے جو کچھ آپ فرما رہے ہیں میں اس کو لکھتا رہوں۔ کاغذ اور قلم موجود ہے۔''

''کوئی حرج نہیں، لکھ لو۔''

چار دن تک مسلسل طولانی نشستوں میں جو کم از کم صبح سے ظہر تک تھیں امامؑ نے مفضل کو درسِ توحید کی تعلیم فرمائی اور مفضل برابر لکھتے رہے۔ یہ ساری تحریر مستقل رسالہ کی شکل میں سامنے آئی۔ اس وقت ''توحید مفضل'' کے نام سے جو کتاب پائی جاتی ہے اور خلقت کے سلسلے میں جامع ترین بیان ہے، ان چار طولانی نشستوں کا نتیجہ ہے۔[1]

[1] بحارالانوار جلد 3، ص 57 تا 151، مطبوعہ جدید

اونٹوں کا مقابلہ

مسلمان گھوڑ دوڑ، تیراندازی اور اونٹوں وغیرہ کے مقابلوں میں کافی دلچسپی لیتے تھے، اس لئے کہ اسلام نے ایسے کاموں کو جن کا جاننا اور مشق کرنا فوجیوں کے لئے ضروری ہے رائج کردیا ہے۔ اس کے علاوہ خود حضرت رسولؐ خدا نے جو اسلامی معاشرہ کے پیشوا اور رہبر تھے خود عملی طور پر ایسے مقابلوں میں شرکت کی۔ یہ مسلمانوں اور خاص طور سے نوجوانوں کو جنگی فنون سیکھنے کی تسویق دلانے کا بہترین ذریعہ تھا۔ جب تک یہ رسم رائج رہی اور رہبران اسلام مسلمانوں کو عملی طور پر ایسے امور میں شوق دلاتے رہے اس وقت تک اسلامی معاشرہ میں عظمت وشجاعت اور جان نثاری کا حوصلہ باقی رہا۔ رسولؐ کبھی گھوڑے کبھی اونٹ پر سوار ہوتے اور بذاتِ خود مقابلہ کرنے والوں کا مقابلہ کرتے تھے۔

رسول اکرمؐ کے پاس ایک اونٹ تھا جو دوڑ میں مشہور تھا جس اونٹ سے بھی مقابلہ ہوتا تھا وہ بازی لے جاتا۔ آہستہ آہستہ سادہ لوح گروہ میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چونکہ یہ اونٹ رسولؐ سے تعلق رکھتا ہے اسی وجہ آگے نکل جاتا ہے لہٰذا دنیا میں ایسا اونٹ پیدا ہونا ممکن نہیں جو اس کا مقابلہ کرے۔

یہاں تک کہ ایک صحرائی عرب اپنے اونٹ کے ساتھ مدینہ آیا اور دعویٰ کیا کہ رسول اکرمؐ کے اونٹ سے مقابلہ کے لئے حاضر ہوں۔ اصحابِ رسولؐ انتہائی اطمینان کے ساتھ اس دلکش مقابلہ کو جب کہ رسولؐ خدا خود دوڑانے کے لئے آمادہ تھے، دیکھنے کے لئے شہر سے باہر نکلے۔ حضرت رسولؐ خدا اور اعرابی روانہ ہوئے وہ معین جگہ جہاں سے مقابلہ کا شروع ہونا قرار پایا تھا وہیں سے دونوں اونٹوں کو تماشائیوں کی طرف دوڑایا گیا۔ تماشائیوں میں عجیب وغریب جوش وخروش پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن لوگوں کی امید کے خلاف اعرابی کا اونٹ رسولؐ کے اونٹ سے آگے نکل گیا۔

مسلمانوں کا وہ گروہ جو پیغمبرؐ کے اونٹ کے بارے میں ایک خاص رائے قائم کیے ہوئے تھے اس واقعہ کے رونما ہونے سے بہت رنجیدہ ہوا اور یہ ان کی توقع کے بالکل برعکس تھا ان کے چہروں کے رنگ اتر گئے۔ حضرت رسولؐ خدا نے ان لوگوں سے فرمایا:

''یہ افسوس کی جگہ نہیں، چونکہ میرا اونٹ تمام اونٹوں کے مقابلے میں آگے نکل جاتا تھا لہٰذا وہ اپنے تئیں مغرور ہوگیا تھا۔ اس نے خیال کیا مجھ سے کوئی بازی لے جانے والا نہیں لیکن سنتِ الٰہی یہ ہے کہ ہر قوی کے لئے قوی تر اور ہر بلندی کے لئے پستی بھی ہے اور ہر غرور کرنے والے کا غرور خاک میں مل جاتا ہے۔''

حضرت رسول خداصلعم نے اس طرح کی حکمت آموز نصیحت کے ضمن میں ان لوگوں کو ان کی غلطی کی طرف متوجہ کیا۔ [1]

---

[1] وسائل الشیعہ، جلد2، ص472

پیاسا نصرانی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مکہ و مدینہ کے درمیان کا راستہ طے کر رہے تھے۔ ''مصادف'' امامؑ کا مشہور غلام بھی آپ کے ساتھ تھا کہ اثنائے راہ میں انہوں نے ایک شخص دیکھا۔ جو درخت کے تنے پر عجیب انداز سے پڑا ہوا تھا۔ امامؑ نے مصادف سے فرمایا:

''اس شخص کی طرف چلیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پیاسا ہو اور پیاس کی شدت سے اس طرح بے حال ہو گیا ہو۔''

اس کے قریب پہنچے، امامؑ نے اس سے معلوم کیا:

''کیا تو پیاسا ہے؟''

''جی ہاں''

امامؑ کے حکم کے مطابق مصادف نیچے آیا اور اس شخص کو پانی دیا لیکن اس شخص کی شکل وصورت اور لباس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مسلمان نہیں بلکہ عیسائی ہے۔

جس وقت امامؑ اور مصادف وہاں سے دور ہو گئے، مصادف نے امامؑ سے مسئلہ پوچھا:

''کیا نصرانی کو صدقہ دینا جائز ہے؟''

''ہاں ضرورت کے وقت۔ جیسے اس وقت''[1]

[1] وسائل الشیعہ، جلد 2 ص 50

علیؑ کے مہمان

ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کا مہمان ہوا۔ حضرت علیؑ نے ان کا بہت زیادہ احترام کیا اور بزم میں نمایاں جگہ دی اور خود ان کے سامنے بیٹھ گئے۔ کھانے کا وقت آیا، کھانا لایا گیا؛ لوگوں نے کھایا۔ کھانے کے بعد قنبر حضرت علیؑ کے مشہور غلام تولیہ، طشت اور لوٹا ہاتھ دھولانے کے لئے لائے۔ حضرت علیؑ نے قنبر کے ہاتھ سے ان چیزوں کو لے لیا اور آگے بڑھے تا کہ خود مہمانوں کا ہاتھ دھلائیں۔ مہمان نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے اور عرض کیا:

''کیا یہ ممکن ہے کہ آپ میرے ہاتھ دھولائیں؟''

حضرت علیؑ نے فرمایا:

''تمہارا بھائی تم ہی جیسا ہے وہ تمہاری خدمت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہے تا کہ اس کے عوض خداوند عالم اس کو جزا دے۔ پھر تم کیوں نہیں چاہتے کہ کار ثواب انجام دوں؟''

پھر بھی اس شخص نے انکار کیا آخرکار حضرت علیؑ نے اسے قسم دی کہ ''میں برادر مومن کی خدمت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا مجھے نہ روکو'' مہمان شرمندگی اور پشیمانی کی حالت میں راضی ہوا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

''میری خواہش ہے کہ تم اپنے ہاتھوں کو اسی طرح دھونا جیسے اگر قنبر ہاتھ دھولاتے اور تم دھوتے، شرمندگی اور تکلف نہ کرو۔''

جیسے ہی مہمان کا ہاتھ دھولا کر فارغ ہوئے اپنے بیٹے محمد ابن حنفیہ سے فرمایا: اس کے بیٹے کے ہاتھ تم دھولاؤ۔ چونکہ میں تمہارا باپ ہوں اس لئے اس کے باپ کے ہاتھ دھولائے اور تم میرے بیٹے ہو اس لئے اس کے بیٹے کا ہاتھ دھولاؤ۔ اگر بیٹا باپ کے ساتھ نہ

ہوتا بلکہ صرف بیٹا میرا مہمان ہوتا تو میں خود ہی اس کے ہاتھ دھولاتا۔

اس لئے کہ خداوند عالم چاہتا ہے کہ جہاں باپ اور بیٹے دونوں جمع ہوں ان کے احترام میں فرق ہونا چاہیے محمد حنفیہ نے باپ کے حکم کی تعمیل میں بیٹے کے ہاتھ دھولائے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''حقیقی شیعہ کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔''[1]

[1] بحارالانوار، جلد9، ص598 مطبوعہ تبریز

مجذوم افراد

مدینہ میں کچھ افراد جذام کے مریض تھے۔ لوگ نفرت و وحشت کے سبب ان لوگوں سے بھاگتے تھے۔ یہ بے چارے اپنی جسمانی بیماری اور لوگوں کی نفرت کے باعث کچھ اور ہی زیادہ روحانی تکلیف برداشت کررہے تھے چونکہ وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ دوسرے لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں اس لئے یہ لوگ آپس میں ہی مل بیٹھ کر باتیں کرتے تھے۔ ایک دن جس وقت یہ لوگ سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھارہے تھے۔ حضرت زین العابدین علیہ السلام کا ادھر سے گذر ہوا۔ ان لوگوں نے امامؑ کو اپنے دسترخوان پر دعوت دی۔

امامؑ نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا:

''میں روزہ سے ہوں اگر روزہ سے نہ ہوتا تو آجاتا میری خواہش ہے کہ فلاں روز آپ لوگ میرے مہمان ہوں۔''

یہ کہہ کر حضرت سجادؑ چل دیے۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے گھر میں ایک بہترین اور عمدہ کھانا پکائے جانے کا حکم دیا۔ مہمان اسی وعدے کے مطابق حاضر ہوئے۔ نہایت احترام کے ساتھ ان لوگوں کے لئے دسترخوان بچھایا گیا۔ ان لوگوں نے کھانا کھایا اور امامؑ نے بھی اسی دسترخوان پر بیٹھ کر انہیں کے ساتھ کھانا کھایا۔[2]

[2] وسائل الشیعہ جلد2، ص45

ابن سیابہ

عبدالرحمٰن ابن سیابہ کوفی ایک ایسا نوجوان تھا جس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ باپ کی موت ایک طرف، تنگدستی اور بے کاری دوسری طرف یہ دونوں چیزیں اس کی روحانی تکلیف کا سبب تھیں۔ ایک دن گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آنے والا شخص اس کے باپ کا دوست تھا۔ اس نے پہلے تعزیت پیش کی اور ہمدردی کا اظہار کیا پھر اس کے بعد پوچھا:

''کیا تمہارے والد کا کچھ سرمایہ بچا بھی ہے؟''

''نہیں''

''یہ ایک ہزار درہم لو اور کوشش اس بات کی کرنا کہ اسی کو سرمایہ (پونجی) سمجھ کے اس کے منافعہ کو خرچ کرنا۔''

یہ بات کہہ کر وہ دروازے سے ہی پلٹ پڑا اور روانہ ہو گیا۔

عبدالرحمٰن خوشی خوشی اپنی ماں کے پاس پہنچے اور پیسوں کی تھیلی دکھائی پھر سارا واقعہ بیان کر دیا۔ اپنے باپ کے دوست کے مشورے اور تاکید کے مطابق کاروبار کی فکر میں پڑ گئے۔ صبح نمودار ہونے سے پہلے ہی پیسوں کو سامان میں بدل دیا۔ ایک دوکان لے کر کاروبار اور تجارت میں مشغول ہو گئے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ تجارت اور کاروبار میں کافی ترقی ہوئی۔ جب حساب وکتاب کیا تو پتہ چلا کہ گھریلو ضروریات پورے ہونے کے علاوہ بہت زیادہ مقدار میں سرمایہ میں اضافہ ہوا ہے۔ سوچا کہ حج کے لئے جائیں، اپنی ماں سے مشورہ کیا تو ماں نے کہا:

''پہلے تو تم اپنے باپ کے دوست کے پاس جاؤ اوران کے وہ ایک ہزار درہم جو ہماری زندگی کے لئے پر برکت سرمایہ ثابت ہوا ہے واپس کر دو، اس کے بعد حج کے

لئے جاؤ۔''

عبدالرحمٰن اس شخص کے پاس گیا اور ایک ہزار درہم سے بھری تھیلی اس کے سامنے رکھ کر کہا:

''اپنے پیسے لے لیجئے۔'' اس شخص نے پہلے تو یہ خیال کیا شاید پیسے کی مقدار کم رہی ہو اور کچھ دنوں بعد عبدالرحمٰن انہیں پیسوں کو واپس کر رہا ہے۔ اس شخص نے کہا:

''اگر پیسے کی یہ مقدار کم ہے تو کچھ اور اضافہ کر دوں؟''

عبدالرحمٰن نے کہا: ''کم نہیں ہے، بہت ہی بابرکت پیسہ تھا۔ چونکہ اب میں خود ایک سرمایہ کا مالک ہوں اس لئے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی محبت کا شکریہ ادا کروں اور یہ پیسے واپس کر دوں۔ خاص طور سے اس وقت جب کہ میں عازم حج ہوں، یہ چاہتا تھا کہ آپ کا پیسہ آپ ہی کے پاس رہے۔'' عبدالرحمٰن نے یہ بات کہی اور اس گھر سے باہر نکلے اور حج کے سفر کی تیاری شروع کی۔

ارکان حج بجالانے کے بعد مدینہ منورہ آئے اور کافی لوگوں کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرتؑ کے گھر ایک اچھا خاصہ مجمع اکٹھا تھا۔ نوجوان عبدالرحمٰن سب کے پیچھے جا کر بیٹھ گیا۔ لوگوں کی آمد ورفت اور وہ سوال وجواب جو امامؑ سے ہو رہے تھے سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ جس وقت بزم میں تھوڑی خلوت ہوئی امامؑ نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلالیا اور پوچھا:

''کیا تمہیں کوئی کام ہے؟''

''میں عبدالرحمٰن ابن سیابہ کوفی بجلی ہوں۔''

''تمہارے والد کا کیا حال ہے؟''

''میرے والد کا انتقال ہو گیا۔''

''افسوس صد افسوس، خدا ان پر رحمت نازل کرے۔ کیا تمہیں باپ کی طرف سے میراث میں کچھ ملا ہے؟''

''نہیں، کچھ بھی نہیں تھا۔''

''پھر کیسے حج کی توفیق ہوئی؟''

''واقعہ کچھ اس طرح ہے: ہم لوگ اپنے والد کے انتقال کے بعد بہت پریشان تھے۔ باپ کی موت ایک طرف اور فقیری و پریشانی نے دوسری طرف سے ہمیں تنگ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن میرے والد کے ایک دوست نے ایک ہزار درہم لا کر دیے اور ہم سے تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں اس پیسے کو سرمایہ قرار دوں اور تجارت کروں۔ میں نے یہی کام کیا اور اس کے منافع سے سفرِ حج کا بندوبست کیا۔۔۔''

جب عبدالرحمٰن کی گفتگو یہاں تک پہنچی، حضرت امام علیہ السلام نے قبل اس کے کہ وہ اپنی داستان تمام کرے فرمایا:

''اچھا یہ بتاؤ کہ اپنے باپ کے دوست والے وہ ایک ہزار درہم کیا کیے؟''

''ماں کے اشارے کے مطابق اپنی روانگی سے پہلے خود اسے واپس کر دیا تھا۔''

''شاباش، اس وقت کیا تمہیں پسند ہے کہ میں ایک نصیحت کروں؟''

''ضرور ضرور! میں آپ پر فدا ہو جاؤں۔''

''سچائی اور امانت داری تم پر واجب ہے۔ سچا اور امانت دار انسان لوگوں کے مال میں شریک ہوتا ہے۔''[1]

[1] سفینۃ البحار، جلد2، ص117، مادہ ''عبد''

قاضی کا مہمان

ایک شخص عام مہمان کی حیثیت سے حضرت علی علیہ السلام کے گھر وارد ہوا۔ کئی دن تک آپ کا مہمان رہا، لیکن وہ ایک عادی مہمان نہ تھا۔ بلکہ اس کے دل میں ایک بات تھی جس کا شروع سے اظہار نہیں کیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ یہ شخص کسی دوسرے شخص سے اختلاف رکھتا تھا اور اس بات کا منتظر تھا کہ دوسرا فریق حاضر ہو تو جھگڑے کو حضرت کی خدمت میں پیش کرے۔ یہاں تک کہ ایک دن خود ہی اصل مطلب سے پردہ اٹھایا اور موضوع اختلاف اور فیصلہ کو عنوان کیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''پس تو دعویدار فریق ہے؟''

''جی ہاں یا امیر المومنینؑ۔''

''بہت ہی معذرت چاہتا ہوں کہ آج سے ایک مہمان کی حیثیت سے میں تمہاری مہمانداری نہیں کر سکتا: اس لئے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا ہے:

''جب بھی قاضی کے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو تو قاضی کو یہ حق نہیں کہ صرف ایک فریق کی مہمانداری کرے فقط اس صورت میں کہ دونوں فریق مہمانی میں حاضر ہوں۔''[2]

[2] وسائل الشیعہ، جلد3، ص395

بازاری باتیں

یہ اس زمانے کی بات ہے جب کہ حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام مامون کے حکم سے خراسان لائے گئے تھے اور چاروناچار ایک خاص شرائط کے ساتھ مامون کی ولی عہدی قبول کر لی تھی۔ ''زید النار'' امامؑ کے بھائی بھی خراسان میں تھے۔ زید نے مدینہ میں جو انقلاب برپا کیا تھا اس کے باعث مامون کے غیظ وغضب کا نشانہ بنے ہوئے تھے، لیکن مامون کی اس وقت کی سیاست کا تقاضہ یہ تھا کہ امام رضا علیہ السلام کی عظمت وبزرگی کا لحاظ رکھا جائے۔ امامؑ کی خاطر ان کے بھائی کے قتل یا قید کرنے کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

ایک دن عام جلسے میں کثرت سے لوگ شریک تھے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام ان لوگوں سے خطاب فرما رہے تھے، دوسری طرف ''زید'' نے جلسے والوں میں سے کچھ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا اور ان لوگوں سے فضیلت سادات اور اولاد رسولؐ یہ کہ وہ خصوصی امتیاز کے حامل ہیں۔'' کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا اور بار بار یہی کہتا جا رہا تھا: ''ہمارا ایسا خاندان ہے ویسا خاندان ہے۔''

امامؑ ''زید کی باتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اچانک تند نگاہوں اور ''اے زید'' کے سخت لہجہ سے زید اور سارے مجمع کو اپنی طرف متوجہ کر لیا پھر فرمایا: ''اے زید کیا کوفہ کے سبزی فروشوں کی باتوں پر مطمئن ہو گئے ہو۔ برابر اسی کو لوگوں سے کہہ رہے ہو یہ کیا باتیں ہیں جو تو لوگوں سے کہتا ہے وہ جو تم نے سنا ہے کہ اولادِ زہراؑ آتش جہنم سے محفوظ رہیں گے اس سے مراد حضرت فاطمہ زہراؑ کی بلافصل اولاد ''حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ اور ان کی دو بہنیں ہیں۔'' اگر اس کا مطلب یہ ہوتا جو تم بیان کر رہے ہو کہ اولاد فاطمہؑ امتیازی خصوصیت کے حامل ہیں اور ہر لحاظ سے اہل نجات اور سعادت ہیں، تو پھر تم اپنے والد

حضرت امام موسیٰ ابن جعفر علیہم السلام سے زیادہ قابل احترام ہو۔ اس لئے کہ انہوں نے دنیا میں خدا کی اطاعت میں زندگی بسر کی اور عابد شب زندہ دار ودنوں میں روزہ رکھنے والے (قائم اللیل، صائم النہار) تھے اور تم خدا کی نافرمانی کرتے ہو۔ تمہارے قول کے مطابق دونوں برابر اور اہل نجات وسعادت ہیں۔ پھر تو فائدے میں رہے۔ اس لئے کہ حضرت موسیٰ ابن جعفرؑ نے عمل کیا اور سعادت مند قرار پائے اور تم نے کوئی کام نہیں کیا اور کوئی پریشانی بھی نہیں اٹھائی اور رکھا رکھایا خزانہ بھی تمہیں مل گیا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

''ہم اہل بیت رسولؐ سے نیکوکار افراد دوگنا اجر رکھتے ہیں اور بدکار افراد دوگنا عذاب رکھتے ہیں۔ اسی طرح سے جیسا کہ قرآن نے ازواج رسولؐ کے بارے میں وضاحت کی ہے۔ اس لئے کہ میرے خاندان کے جس شخص نے نیک کام کیا؛ حقیقت میں اس نے وہ کام انجام دیے ایک تو یہ کہ دوسروں کی طرح اس نے بھی عمل کیا؛ دوسرے یہ کہ اس نے حضرت رسول خداصلعم کی عظمت وبزرگی کا بھی احترام کیا اور اس کی حفاظت کی اور ہم میں جو شخص گناہ کرتا ہے گویا وہ دوگناہ کا مرتکب ہوتا ہے، ایک یہ کہ اس نے دوسرے لوگوں کی طرح برا کام کیا، دوسرے یہ یکہ اس نے حضرت رسول خداصلعم کی عزت وآبرو مٹادی۔''

اس وقت امامؑ نے اپنا رُخ حسن ابن موسیٰ وشاء بغدادی کی طرف کیا جو اہل عراق میں سے تھے، اور اسی جلسے میں موجود تھے۔ حضرتؑ نے فرمایا:

''عراق کے لوگ اس آیۂ کریمہ: ''انّه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح'' کو کس طرح پڑھتے ہیں؟''

''اے فرزند رسولؐ، بعض لوگ تو معمول کے مطابق ''انّهٗ عملٌ غَیْرُ صالح''

[1] پڑھتے ہیں۔لیکن بعض دوسرے لوگ جو باور نہیں کرتے کہ خداوند عالم کے بیٹے کو اپنے قہر وغضب کا نشانہ بنائے گا؛ آیت کو ''اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ''[2] پڑھتے ہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حقیقت میں حضرت نوحؑ کی نسل سے نہ تھا۔ خدا نے حضرت نوحؑ سے فرمایا ہے کہ اے نوحؑ یہ تمہاری نسل سے نہیں ہے، اگر وہ تمہاری نسل سے ہوتا تو تمہاری خاطر اس کو نجات دے دیتا۔''

امام نے فرمایا: ''ہرگز ایسا نہیں ہے، وہ جناب نوحؑ کا حقیقی بیٹا تھا، انہیں کی نسل سے تھا۔ چونکہ وہ بدکار و نافرمان ہو گیا تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام سے اس کا روحانی رشتہ منقطع کیا گیا اور نتیجہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے کہا گیا کہ یہ تمہارا بیٹا صالح نہیں ہے۔ اس لحاظ سے وہ صالح افراد کی صف میں نہیں آ سکتا۔ ہمارے خاندان کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔ روحانی رشتہ تقویٰ وعمل صالح اور امرِ خدا کی فرمانبرداری ہے۔

جو بھی خدا کی اطاعت کرے گا وہ ہم اہل بیت سے ہے چاہے وہ ہم سے نسلی اور جسمانی رابطہ نہ رکھتا ہو۔ جو شخص بھی گنہگار ہوگا وہ ہم میں سے نہیں ہے چاہے وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی حقیقی اور صحیح النسب اولاد سے بھی ہو۔ خود تم بھی اگرچہ ہم سے کوئی نسبت نہیں رکھتے، اگر خدا کے فرمانبردار بندے بن جاؤ اور عمل صالح کرو تو ہم میں سے ہو۔''[3]

[1] یعنی یہ تمہارا فرزند غیر صالح ہے۔

[2] یعنی وہ ایک بُرے آدمی کا بیٹا ہے، تمہارا بیٹا نہیں ہے۔

[3] بحارالانوار، جلد 1، ص 65

بوڑھا اور بچے

ایک بوڑھا آدمی وضو کر رہا تھا لیکن صحیح طریقے سے وضو کی ترکیب نہیں جانتا تھا۔ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے جو اس وقت بچے تھے اس بوڑھے آدمی کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جاہل کے لئے احکام ومسائل کی تعلیم اور اس کی ہدایت واجب ہے۔ بوڑھے آدمی کو صحیح وضو سکھانا چاہیے۔ لیکن اگر اس سے بلاواسطہ یہ کہا جاتا کہ تمہارا وضو صحیح نہیں ہے، علاوہ اس کے کہ اس کی رنجیدگی کا سبب ہوتا ہمیشہ کے لئے اس کے دل میں وضو کے سلسلے میں ایک تلخ بات یادرہ جاتی اور اسی طرح کہاں معلوم کہ وہ براہ راست ٹوکنے کو اپنی توہین محسوس نہ کرتا اور یکبارگی اکڑ نہ جاتا اور کسی طرح وہ بات قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔

ان دونوں بچوں نے سوچا کہ براہ راست اس سے نہ کہیں بلکہ پہلے تو آپس میں گفتگو اس طرح کرنے لگے کہ بوڑھا سن رہا تھا۔ ایک نے کہا: ''میرا وضو تمہارے وضو سے کامل تر ہے''

دوسرے نے کہا: ''میرا وضو تمہارے وضو سے زیادہ کامل ہے۔''

اس کے بعد دونوں اس پر راضی ہو گئے کہ بوڑھے آدمی کے سامنے وضو کریں اور یہ بوڑھا شخص فیصلہ کرے کہ کس کا وضو صحیح ہے۔ دونوں کی موافقت کے مطابق دونوں نے بوڑھے آدمی کے سامنے صحیح اور کامل وضو کیا۔ بڈھا اب متوجہ ہوا کہ صحیح وضو کس طرح ہوتا ہے۔ اس نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ ان دو بچوں کا اصلی مقصد کیا تھا انکی بے لوث محبت اور ہوش وذہانت سے متاثر ہو کر اس نے کہا:

''تم دونوں کا وضو صحیح اور کامل ہے۔ میں بوڑھا اور نادان آدمی ابھی صحیح وضو کرنا نہیں جانتا۔ اسی محبت کی پیش نظر جو آپ اپنے جد کی امت سے رکھتے ہیں، مجھے متنبہ کیا۔ جس کا بے حد شکر گزار ہوں۔''[4]

[4] بحارالانوار، جلد 10، ص 89

سعد کا پیغام

جنگ احد کا غم انگیز اور پرانقلاب واقعہ اختتام کی منزلوں میں پہنچا۔ مسلمانوں نے اگرچہ آغازِ جنگ میں ایک زبردست حملہ کیا تھا اور مردانہ وار جہاد میں مشرکین کے بہت سے بہادروں کو زمین پر ڈھیر اور انہیں فرار ہونے پر مجبور کر دیا تھا؛ لیکن بعض مجاہدین کی غفلت اور بے راہ روی کے سبب ابھی عرصہ نہیں گذرا تھا کہ کایا پلٹ گئی اور مسلمانوں کا محاصرہ ہو گیا بہت سے لوگ مارے گئے۔

اگر خود حضرت رسول خدا صلعم اور معدودِ چند افراد کی مزاحمت نہ ہوتی تو مسلمانوں کا کام سرے سے تمام ہی ہو جاتا، لیکن آخر میں مسلمانوں کے لئے ممکن ہوا کہ اپنی طاقتوں کو اکٹھا کر کے حملہ کریں اور آخری شکست سے بچ جائیں۔ مسلمانوں کے جذبات ٹھنڈے پڑ جانے کا سبب جو چیز تھی وہ رسولؐ خدا کے قتل پر مبنی افواہیں تھیں، اس پروپگنڈے نے مسلمانوں کے جذبات کمزور کر دیا تھا۔ اس کے برخلاف مشرکین قریش ہمت وطاقت پیدا ہو گئی تھی لیکن قریش والوں نے جیسے ہی سمجھا کہ یہ جھوٹی خبر ہے اور رسول اکرمؐ ابھی زندہ ہیں۔ اسی مقدار کامیابی کو غنیمت سمجھا اور مکہ کی جانب چل پڑے۔ مسلمانوں میں بہت سے مارے گئے اور بہت سے زخمی ہو کر زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ بہت سے خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے۔ کچھ تھوڑے سے لوگ رسولؐ کے پاس رہ گئے تھے۔ جو زمین پر زخمی پڑے تھے۔ اور جو ادھر ادھر بھاگ گئے تھے انہیں انجام کار کی کوئی خبر نہیں تھی اور یہ معلوم نہیں تھا کہ آیا رسول خدا صلعم زندہ ہیں یا نہیں؟

اسی دوران ایک فراری مسلمان ایک زخمی سعد ابن ربیع جسے بارہ زخم لگے تھے کے پاس سے گذرا اور ان سے کہا:

''جیسا کہ ہم نے سنا ہے کہ رسول قتل کر دیے گئے!'' سعد نے کہا:

''لیکن محمدؐ کا خدا تو زندہ ہے جسے ہرگز موت نہ آئے گی تم بیکار کیوں ہو اپنے دین کا دفاع کیوں نہیں کرتے؟ ہمارا فریضہ ذاتِ محمدؐ کا دفاع نہیں تھا، کہ جس وقت وہ قتل کر دیے جائیں گے تو مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ ہم اپنے دین کا دفاع کر رہے تھے اور یہ مسئلہ ہمیشہ باقی رہے گا۔''

دوسری طرف حضرت رسولؐ خدا اپنے اصحاب کو یاد کر رہے تھے کہ دیکھیں کون زندہ ہے کون مر گیا؟ کس کا زخم قابل علاج ہے کس کا نہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا:

''کون شخص ہے جو جا کر سعد ابن ربیع کی صحیح خبر لائے؟''

ایک انصاری نے کہا: ''میں حاضر ہوں۔''

انصاری گیا اور سعد کو مقتولین کے درمیان پایا لیکن ابھی رمقِ حیات اس میں باقی تھی اس سے کہا:

''حضرت رسول خدا صلعم نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تمہاری خبر ان کے پاس پہنچاؤں کہ تم مردہ ہو یا زندہ؟'' سعد نے کہا:

میرا سلام حضرت پیغمبرؐ اسلام کی خدمت میں پہنچاؤ اور کہو کہ سعد مرنے والوں میں ہے اس لئے کہ اس کی زندگی میں چند لمحے سے زیادہ کچھ باقی نہیں ہے اور کہنا کہ سعد نے کہا ہے:

''خداوند عالم آپ کو بہترین جزاء جو ایک پیغمبر کے شایان شان ہے، عطا کرے'' اُس وقت کہا کہ یہ پیغام میری طرف سے پیغمبرؐ کے دوستوں اور انصار تک پہنچا دو کہ سعد کہہ رہا تھا: ''اگر رسولؐ اسلام کو کسی قسم کا کوئی گزند پہنچا اور تمہاری جانیں سالم رہیں تو خدا کے نزدیک تمہارا کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا'' ابھی یہ انصاری سعد ابن ربیع سے زیادہ دور نہیں ہوا تھا کہ سعد نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ [1]

[1] شرح ابن الحدید، جلد 3، ص 574 مطبوعہ بیروت و سیرۂ ابن ہشام جلد 2 ص 94۔

ایک مستجاب دعا

"خدایا مجھے میرے خاندان میں نہ پلٹانا!"

یہ وہ جملہ تھا جسے ہند زوجۂ عمرو ابن الجموح نے اس وقت اپنے شوہر کی زبان سے سنا تھا جب کہ وہ مسلح ہو کر جنگ اُحد میں شرکت کرنے کے لئے روانہ ہو رہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ عمرو ابن الجموح نے مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت کی تھی۔ اس وقت تک اس نے شرکت نہیں کی تھی اس لئے کہ وہ اپنے ایک پیر سے معذور تھا اور بہت زیادہ لنگڑاتا تھا۔ قرآن کے صریح حکم کے مطابق اندھے، لنگڑے اور بیمار آدمی پر جہاد واجب نہیں ہے۔[1]

اگر چہ اس نے بذات خود ابھی تک جہاد میں شرکت نہیں کی تھی لیکن اس کے چار بہادر لڑکے تھے جو سب کے سب رسولؐ کے ہمراہ و ہم رکاب تھے، کوئی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا نہ یہ امید ہی رکھتا تھا کہ عمرو ابن الجموح عذر شرعی رکھنے کے باوجود اور چار بیٹوں کے میدان میں چلے جانے کے بعد بھی وہ خود اسلحہ اٹھائے گا اور مجاہدین سے ملحق ہو جائے گا۔

جس وقت عمرو ابن الجموح کے عزیزوں کو اس کے ارادے کی اطلاع ملی وہ لوگ اس خیال سے آئے کہ اسے روکا جائے سب نے کہا:

"پہلی بات تو یہ ہے کہ تم شرعاً جہاد سے معذور ہو، دوسرے یہ کہ تمہارے چار بہادر فرزند رسولؐ کے ساتھ جا چکے ہیں، اب یہ ضروری نہیں کہ تم خود بھی میدانِ جنگ میں جاؤ!" اس نے کہا:

"جس بنیاد پر میرے بیٹے ابدی سعادت کی تمنا اور بہشت جاوید کی آرزو لے کر گئے ہیں میری بھی وہی تمنا اور آرزو ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ وہ لوگ درجۂ شہادت پر فائز

[1] "لیس علی الاعمیٰ حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض۔" سورۂ فتح آیت نمبر 18

ہوں اور میں گھر میں تم لوگوں کے پاس رہ جاؤں، ایسا ہرگز ممکن نہیں۔"

رشتہ داروں اور عزیزوں نے عمرو ابن الجموح کا پیچھا نہ چھوڑا اور برابر ایک کے بعد دوسرے آتے رہے تا کہ اس کے ارادے سے اسے باز رکھیں۔ عمرو نے ان سے چھٹکارا پانے کے لئے رسولؐ خدا کی خدمت میں التجا کی:

"یا رسولؐ اللہ! میرے خاندان والے مجھے گھر کی چار دیواری میں بند کرنا چاہتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ میں جہاد میں شرکت کروں۔ خدا کی قسم میری تمنا ہے کہ اسی لنگڑے پاؤں کے ساتھ جنت میں جاؤں۔"

"اے عمرو! تم تو عذرِ شرعی رکھتے ہو، خدا نے تمہیں معذور رکھا ہے، تم پر جہاد واجب نہیں ہے۔"

"یا رسولؐ اللہ! مجھے معلوم ہے کہ اس حالت میں مجھ پر جہاد واجب نہیں پھر بھی۔۔۔" "حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا: اس کو نہ روکیں، جانے دیجئے، یہ شہادت کی تمنا رکھتا ہے۔ شاید خدا اسے نصیب کرے۔"

میدانِ احد میں سب سے زیادہ قابلِ دید منظر اور مقابلے کی بات عمرو ابن الجموح کا جہاد تھا جو اپنے لنگڑے پیر کے ساتھ قلبِ لشکر پر بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا اور پکار پکار کر کہہ رہا تھا: "مجھے بہشت کی تمنا ہے" اس کا ایک بیٹا بھی باپ کے پیچھے لڑ رہا تھا۔ دونوں نے اس قدر مشتاقانہ جنگ کی درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

جنگ ختم ہونے کے بعد مدینہ کی بہت سی عورتیں شہر سے باہر آئیں تا کہ قریب سے حالات کا جائزہ لیں خاص طور پر اس لئے کہ مدینہ میں وحشت ناک خبریں پہنچیں تھیں۔ حضرت عائشہؓ زوجۂ رسولؐ بھی انہیں عورتوں میں تھیں۔ حضرت عائشہ شہر سے تھوڑی ہی دور باہر نکلی تھیں کہ ہند زوجہ عمرو ابن الجموح پر نظریں پڑیں۔ اسے ایسی حالت میں دیکھا کہ ایک اونٹ پر تین جنازے رکھے: مہار ہاتھ میں پکڑے؛ اونٹ کو مدینہ کی طرف لئے چلی آ رہی

ہے۔ عائشہ نے اس سے پوچھا:

''کیا خبر ہے؟''

''الحمدللہ، رسول خداصلعم سلامت ہیں۔ جب وہ صحیح وسالم ہیں تو پھر کوئی دوسرا غم نہیں دوسری خبر یہ ہے کہ: ''ردّاللہ الذین کفروا بغیظھم 'خداوندعالم نے کفار کو جب کہ وہ غصہ میں بھرے تھے ناکام پلٹا دیا۔''

''یہ کس کے جنازے ہیں؟''

''یہ جنازے میرے بھائی، میرے بیٹے اور میرے شوہر کے ہیں۔''

''کہاں لئے جارہی ہو؟''

''مدینہ لئے جارہی ہوں تا کہ دفن کروں۔''

ہند نے یہ باتیں کہیں اوراونٹ کی مہار پکڑ کر مدینہ کی طرف کھینچتی چلی گئی؛ لیکن اونٹ بڑی مشکل اورزحمت کے ساتھ ہند کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ آخرکار وہ بیٹھ گیا۔ حضرت عائشہ نے کہا:

''اونٹ کا بوجھ بھاری ہے، اس لئے نہیں لے جاپارہا ہے۔''

''ایسا نہیں ہے۔ یہ ہمارا اونٹ بہت طاقتور ہے۔ عام طور سے دواونٹ کا بارلاد لیتا ہے۔ دوسری کوئی اور وجہ ہوسکتی ہے۔ یہ کہہ کر اونٹ کو آگے بڑھانا چاہتی تھی کہ اسے مدینہ کی طرف لے جائے دوبارہ اس نے گھٹنے زمین پر ٹیک دیے اور بیٹھ گیا۔ جیسے ہی اس کا رخ میدانِ احد کی طرف ہوا نہایت تیزی کے ساتھ راستے پر چل پڑا۔ ہند نے دیکھا عجیب بات ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف جانے کو تیار نہیں، لیکن احد کی طرف آسانی اور تیز رفتاری کے ساتھ چلا جارہا ہے۔ دل میں سوچا شاید کوئی راز ہے۔ ہنداسی حالت میں اونٹ کی مہار کھینچتی ہوئی ایک دم میدان احد کی طرف پلٹی اورحضرت رسولِؐ خدا کی خدمت میں پہنچی:

''یارسولؐ اللہ! عجیب ماجرا ہے، میں نے ان جنازوں کواونٹ پر رکھا اور مدینہ کی

طرف چلی تا کہ دفن کروں، جس وقت اس اونٹ کو مدینہ کی طرف لے جانا چاہتی ہوں یہ میری اطاعت نہیں کرتا لیکن احد کی طرف آسانی سے چلا آتا ہے ایسا کیوں ہے؟''

''جس وقت تیرا شوہر میدان احد کی طرف آرہا تھا کچھ کہا تھا؟''

''یارسولؐ اللہ! جس وقت چلنے لگا تھا اس سے ایک جملہ سنا تھا: ''خدایا مجھے میرے خاندان میں نہ پلٹانا۔''

''بس یہی بات ہے؛ اس مجاہد شہید کی خالصانہ ''دعامستجاب'' ہوئی ہے۔ خدا نہیں چاہتا یہ جنازہ واپس جائے۔ تم انصار کے درمیان ایسے شخص پائے جاتے ہیں کہ وہ خدا سے جس چیز کو چاہتے ہیں اورقسم دیتے ہیں خدا ان کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ تمہارا شوہر عمروابن الجموح انہیں لوگوں میں سے ہے۔''

حضرت رسول خداصلعم کے سامنے ان تینوں افراد کو اُحد میں دفن کردیا گیا؛ اس وقت آنحضرتؐ نے ہند کی طرف رخ کرکے فرمایا:

''یہ تینوں افراد اُس دنیا میں بھی ساتھ ہوں گے۔''

''اے رسولؐ خدا میرے لئے بھی دعا کریں کہ میں بھی ان کے پاس پہنچ جاؤں۔''[1]

---

[1] شرح ابن ابی الحدید، جلد3، مطبوعہ بیروت ص566

پناہندگی کا خاتمہ

جن مسلمانوں نے قریش والوں کے ظلم وستم اور شکنجوں سے تنگ آ کر مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، ہر روز وہ مکہ اور مکہ والوں کی طرف سے ایک نئی خبر سننے کے منتظر رہتے تھے۔ اگرچہ یہ لوگ اور ان کے ہم مسلک افراد جو توحید وعدالت کے علمبردار تھے۔ مخالفین کے مقابلے میں جو کہ بت پرستی اور نظام جاہلیت کے حامی تھے۔ بہت ہی اقلیت میں تھے۔لیکن یہ اطمینان بھی تھا کہ دن بدن ہمارے طرف دار بڑھتے ہی جا رہے ہیں اور مخالفین کم ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی بھی ناامیدی نہ تھی کہ تمام قریش والے عنقریب پردۂ غفلت چاک کر کے صراط مستقیم اور اپنی بھلائی کے راستے کو پالیں گے۔ ان لوگوں کی طرح بت پرستی ترک کر کے دامنِ اسلام میں پناہ لے لیں گے۔

اتفاق سے حبشہ میں جہاں یہ لوگ تھے خبر پہنچی کہ تمام قریش والوں نے اپنا عقیدہ بدل دیا ہے اور اسلام قبول کر لیا ہے۔ اگرچہ اس خبر کی تصدیق معتبر ذریعہ سے نہ ہو سکی تھی؛ پھر بھی مسلمانوں میں اسلام کی وسعت اور کامیابی کا جو ایمان وعقیدہ پایا جارہا تھا اس کی وجہ سے کچھ لوگ مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

جانے والے افراد میں ایک عثمان ابن مظعون تھے جو حضرت رسول خداصلعم کے مشہور صحابی تھے۔جنہیں پیغمبر اسلامؐ بے پناہ چاہتے تھے اور تمام مسلمانوں میں وہ محترم تھے۔ عثمان ابن مظعون جیسے ہی مکہ کے قریب پہنچے، واقعہ سمجھ گئے کہ کیا ہے، ساری باتیں جھوٹی تھیں۔مسلمانوں پر ظلم وستم اور شکنجوں کا اضافہ ہو چکا تھا۔ اب کیا کریں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اس لئے کہ حبشہ کا راستہ اتنا نزدیک نہ تھا کہ آسانی سے واپس ہو سکیں۔ دوسری طرف مکہ میں داخل ہونا ظلم وستم کا نشانہ بننا تھا۔ آخر کار ان کی سمجھ میں ایک بات آئی اور وہ یہ کہ عربوں کی روایتی عادت وخصلت سے فائدہ اٹھا کر قریش کے

کسی با اثر شخص کے پڑوسی (ہمسایہ) بن جائیں۔

عربوں کی عادت کے مطابق اگر کوئی کسی دوسرے سے ''پناہ'' چاہتا اور اس سے ہمسائگی'' کا سوال اور حمایت کی درخواست کرتا تو اگر وہ اپنا ''جوار'' (پڑوسی) بناتے تو آخری سانس تک اس کی حمایت کرتے تھے۔ عربوں کے لئے یہ بات ننگ وعار تھی کہ اگر کوئی ان سے پناہ مانگتا۔ چاہے دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اسے پناہ نہ دیتے یا پناہ دینے کے بعد اس کی حمایت نہ کرتے تھے عثمان آدھی رات کو مکہ میں وارد ہوئے اور سیدھے ولید ابن مغیرہ مخزومی کی گھر کی طرف چل پڑے۔ ولید ابن مغیرہ مخزومی قریش کے متمول، معزز اور با اثر افراد میں سے تھا۔ اس کے گھر پہنچ کر اس سے پناہ مانگی؛ اس نے قبول کر لیا۔

دوسرے دن جب کہ قریش کے بزرگان مسجد الحرام میں جمع تھے ولید ابن مغیرہ عثمان ابن مظعون کو اپنے ساتھ لے کر مسجد الحرام میں آیا اور رسمی طور سے اعلان کر دیا کہ عثمان ہمارا پڑوسی ہے، میرا ہمسایہ ہے۔ اگر کسی نے اس وقت سے اس کو چھیڑا تو گویا مجھ سے ٹکرایا ہے اہل قریش ''ولید ابن مغیرہ'' کے ہمسایہ کا احترام کرتے رہے۔ کسی نے عثمان سے کوئی باز پرس نہ کی نہ کسی نے چھیڑا۔ اس نے اس وقت سے اپنا تحفظ پیدا کیا۔ اب آزادی سے آتا جاتا تھا۔قریش کی محافل ومجالس میں انہیں کی طرح شریک ہوتا تھا لیکن اسی زمانے میں مسلمانوں پر شکنجہ وسختی کم بھی نہ تھی۔ یہ ایک ایسا سلسلہ تھا کہ عثمان ابن مظعون سے اپنی آسائش اور دوستوں کی تکلیف دیکھی نہیں جا رہی تھی۔

ان کے اوپر یہ بات بہت گراں گذر رہی تھی۔ ایک دن خود ہی سوچا کہ یہ اچھی بات نہیں اور خلافِ مروت ہے کہ میں تو ایک مشرک کی پناہ میں آرام کروں اور ایسے ہی زندگی بسر کروں اور ہمارے ہم فکر وہم عقیدہ بھائی سختیوں اور شکنجوں کا نشانہ بنیں۔ انہیں احساسات کے ساتھ ولید ابن مغیرہ کے پاس آئے اور کہا:

''میں تمہارا بے حد شکر گذار ہوں کہ تم نے مجھے پناہ دی اور میری حمایت کی لیکن

آج کے دن سے میں تمہاری پناہ سے نکل کر اپنے دوستوں سے ملحق ہونا چاہتا ہوں۔ چھوڑیئے جو کچھ ان لوگوں پر پڑے گی وہی مجھ پر پڑے گی۔''

''بھتیجے! شاید میری پناہ گاہ تمہارے لئے اچھی ثابت نہیں ہوئی ہے جو تمہاری حفاظت کر سکے۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے اس اعتبار سے ناراض نہیں ہوں، بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ اب اس کے بعد خدا کی پناہ کے علاوہ کسی اور کی پناہ میں زندگی بسر نہ کروں۔''

''بہر حال، اب اس وقت جبکہ تم نے جانے کا ارادہ ہی کر لیا ہے تو پھر اسی طرح جیسے پہلے دن تمہیں میں مسجد الحرام میں اہل قریش کے عام مجمع میں لے گیا تھا اور تمہاری پناہندگی کا اعلان کیا تھا۔ مسجد الحرام میں آؤ چلیں وہیں سب کے سامنے اپنی پناہندگی سے تمہارے نکل جانے کا اعلان کر دیں۔''

''بہت خوب، کوئی حرج نہیں ہے۔''

ولید ابن مغیرہ اور عثمان بن مظعون ساتھ ساتھ مسجد الحرام آئے جس وقت تمام سرداران قریش جمع ہوئے ولید نے یوں کہا: ''عثمان اس لئے آئے ہیں تا کہ میری پناہندگی سے اپنے نکل جانے کا اعلان کریں۔''

''یہ سچ کہہ رہا ہے۔ میں اسی مقصد سے حاضر ہوا ہوں۔ مزید عرض یہ ہے کہ جب تک میں ولید کی پناہ میں رہا، میری اس نے بھرپور حمایت کی۔ مجھے اس اعتبار سے اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہے۔ اس کی پناہ سے میرے نکل جانے کا سبب صرف یہ ہے کہ اب میں صرف خدا کی پناہ کے علاوہ کسی اور کی پناہ پسند نہیں کرتا۔''

اس طرح عثمانؓ کی ہمسائیگی اور ''پناہندگی کا خاتمہ'' ہو گیا اور حفاظت کی ضمانت جو اس وقت تک تھی لغو ہو گئی۔ لیکن عثمان جیسے ان کی زندگی میں کوئی نیا موڑ نہ آیا ہو: حسبِ معمول قریش کی محافل ومجالس میں شرکت کرتے رہے۔ اتفاق سے ان دنوں عرب کا مشہور

شاعر ''لبید ابن ربیعہ'' مکہ میں آیا ہوا تھا۔ اس کا یہ ارادہ تھا کہ اپنا مشہور وشاہکار قصیدہ جسے اس نے انہیں دنوں نظم کیا تھا قریش کی محفل میں پڑھے۔ یہ قصیدہ زمانۂ جاہلیت کا شاہکار وپسندیدہ قصیدہ تھا جو اس مصرع سے شروع ہوتا ہے:

"الا کل شی ما خلا اللہ باطل"

یعنی ہر چیز خداوند عالم کے علاوہ باطل ہے، حق مطلق صرف ذاتِ اقدس احدیت ہے۔ حضرت رسول خداصلعم نے اس مصرع کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''سب سے سچا شعر جو عربوں نے پڑھا اور کہا ہے وہ یہی ہے۔''

لبید قریش کے مجمع میں آیا اور یہ طے پایا کہ وہ اپنا قصیدہ سنائے۔ حاضرین مجلس لبید کا تازہ شاہکار قصیدہ سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوئے۔ لبید نے نہایت غرور وفخر کے ساتھ قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جب وہ اس مصرع پر پہنچا:

"الا کل شی ما خلا اللہ باطل"

عثمان ابن مظعون جو ایک کنارے بیٹھے ہوئے تھے، اس بات کی مہلت نہ دی کہ دوسرا مصرع پڑھ سکے؛ تصدیق کرتے ہوئے کہا:

''واہ؛ واہ؛ شاباش؛ سچ کہہ رہے ہو، حقیقت بھی یہی ہے کہ تمام چیزیں خدا کے سوا سب باطل ہیں۔''

لبید نے دوسرا مصرع پڑھا:

"وکل نعیم لا محالۃ زائل"

یعنی ہر نعمت فانی اور برباد ہو جانے والی ہے۔

عثمان کی آواز بلند ہوئی اور کہا: مگر یہ دوسرا مصرع جھوٹ کہا ہے اس لئے کہ تمام نعمتیں فنا ہونے والی نہیں ہیں۔ یہ بات تو صرف اس دنیا کے لئے ہی کہی جا سکتی ہے۔ اُس دنیا یعنی آخرت کی ساری نعمتیں پائیدار اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔ تمام مجمع والے اس

گستاخی پر’’ عثمان ابن مظعون کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے، کسی کو اس کی امید بھی نہ تھی کہ ایسی محفل میں جہاں قریش کے بزرگ وسردار اور معزز افراد جمع ہوں اور اس میں لبید ابن ربیعہ جیسا عظیم شاعر ایک طولانی راستے کو طے کر کے اپنا شاہکار قصیدہ پڑھ رہا ہو؛

عثمان بن مظعون جیسا آدمی جو چند گھنٹوں پہلے دوسروں کی پناہ میں تھا، فی الحال نہ اس کے جان کی کوئی حفاظت ہے نہ ہی مال کی کوئی ضمانت؛ ساتھ ہی ساتھ اس کے تمام ہم فکر وہم مسلک شکنجوں اور سختیوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں پھر بھی ایسی گستاخی کرے اور اپنے عقیدہ کا اظہار کرے، سب کے سب تعجب میں تھے۔

لوگوں نے لبید سے کہا: ’’اپنا شعر پھر سے دہرا کر پڑھو‘‘

لبید نے پھر پہلا مصرع پڑھا: **الا کل شی ما خلا اللہ باطل**

عثمان نے کہا: ’’سچ ہے، بالکل صحیح ہے۔‘‘

اور جیسے ہی لبید نے دوسرا مصرع پڑھا: **و کل نعیم لامحالۃ زائل**

عثمان نے کہا: ’’جھوٹ ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے، اس دنیا یعنی آخرت کی نعمتیں فنا ہونے والی نہیں ہیں۔‘‘

اس بار لبید خود سب سے زیادہ ناراض ہوا، باآواز بلند کہا: ’’اے قریش والو! خدا کی قسم پہلے تمہاری مجلسوں میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ تم لوگوں میں ایسے گستاخ اور بے ادب لوگ نہیں تھے۔ آخر کیا ہو گیا ہے کہ تمہارے درمیان ایسے افراد پیدا ہو گئے ہیں؟‘‘

حاضرین بزم میں سے ایک نے اٹھ کر لبید کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا: ’’اپنا قصیدہ جاری رکھو، اس کی بات سے ناراض ہونے کی ضرورت نہیں، یہ بیوقوف آدمی ہے یہ اکیلا بھی نہیں ہے بلکہ دوسرے کچھ بے وقوف لوگ اور بھی اس شہر میں پیدا ہو گئے

ہیں جو اس کے ہم عقیدہ ہیں۔ یہ لوگ تو ہمارے مذہب سے خارج ہو گئے ہیں اور اپنے لئے دوسرے مذہب کا انتخاب کرلیا ہے۔‘‘

عثمان ابن مظعون نے اس کہنے والے کا سختی سے جواب دیا اب وہ مزید برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اپنی جگہ سے اٹھا اور ایک زوردار طمانچہ عثمان کے منہ پر مارا جس سے اس کی ایک آنکھ خون آلود ہوگئی۔ حاضرین بزم میں سے ایک نے کہا: ’’عثمان! تم نے قدر نہ کی، تم ایک اچھے آدمی کی پناہ میں تھے، اگر تم ولید ابن مغیرہ کی پناہ میں ہوتے تمہاری آنکھ ایسی نہ ہوئی ہوتی۔‘‘

عثمان نے کہا: ’’خدا کی پناہ سب سے زیادہ محکم اور محترم ہے۔ غیر خدا کے مقابلہ میں خدا کی پناہ اطمینان بخش اور قابلِ احترام ہے۔ رہ گئی میری آنکھ کی بات تو تمہیں یہ بتادوں کہ وہ شرف جو میری اس آنکھ نے حاصل کیا ہے اس شرف کی دوسری آنکھ بھی آرزومند ہے۔‘‘

خود ولید ابن مغیرہ سامنے آیا اور کہا:

’’عثمان! میں تمہیں پھر سے اپنی پناہ دینے کے لئے تیار ہوں۔‘‘

’’لیکن میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ خدا کے علاوہ اب کسی کی پناہ قبول نہیں کروں گا۔‘‘[1]

---

[1] اسد الغابہ، جلد3، ص385، 386 وسیرۂ ابن ہشام، جلد مکیم، ص364 تا370

پہلا نعرہ

کبھی کبھی مکہ سے آنے والی خبر جب قبیلۂ بنی غفار میں پہنچتی ، ابوذر کے فکرمند و متجسس مزاج کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی تھی ۔ انہیں بہت شوق تھا کہ مکہ میں جو واقعات ہو رہے ہیں اس کی حقیقت سے باخبر ہوں ۔لیکن ایسی گونا گوں اور نامنظم رپورٹیں جو بعض افراد سے مل جایا کرتی تھیں، اس سے کچھ ٹھیک سمجھ میں نہیں آتا تھا۔صرف وہ بات جوان کے لئے مسلم تھی وہ یہ کہ مکہ میں ایک نئی بات ہوئی ہے کہ جس نے مکہ میں ہلچل پیدا کردی ہے اور اسے مٹانے کے لئے مکہ والے سرگرم عمل ہیں ۔لیکن وہ بات کیا ہے؟ مکہ والے کیوں مخالفت کررہے ہیں؟ کچھ بھی پتہ نہیں چل سکا تھا۔

ابوذر کے بھائی مکہ کے لئے عازم سفر تھے، ان سے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک شخص نے ظہور کیا ہے اور ایک نیا پیغام لایا ہے، وہ اس بات کا مدعی ہے کہ وہ پیغامات اسے خدا کی جانب سے وحی ہوتے ہیں اس وقت جبکہ تم مکہ جا رہے ہو نزدیک سے تحقیق کرنا اور میرے لئے صحیح خبر لانا۔''

کئی دن تک بھائی کے انتظار میں تھے کہ واپس آئے ۔ واپسی پر اس سے پوچھا:

''ہاں! بتاؤ کیا خبر ہے اور معاملہ کیا ہے ۔''

''جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے، وہ ایک ایسا انسان ہے جو لوگوں کو حُسنِ اخلاق کی دعوت دیتا ہے اور ایک ایسا کلام بھی لایا ہے جو شعر و شاعری کے مانند نہیں ۔''

''میرا مقصد کچھ اس سے بھی زیادہ تحقیق کرنا تھا، اتنا کافی نہیں ہے ۔اب مجھے ذاتی طور سے جانا چاہیے اور حقیقت حال کو سمجھنا چاہیے ۔''

ابوذر نے اپنا بوریا بستر سنبھالا اور اپنی پیٹھ پر لادا پھر مکہ کی طرف سیدھے چل پڑے ۔مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ جیسے بھی ہو سکے گا اس شخص سے ملاقات کریں گے جو نیا پیغام

لایا ہے اور اس کی باتیں خود اپنے کان سے سنیں گے لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ نہ اس انسان کو پہچانتے تھے اور نہ ہی اس کے پتہ لگانے میں کسی سے سوال کی جرأت کرسکتے تھے ۔مکہ کا ماحول دہشت زدہ اور خوفناک تھا۔ ابوذر کسی سے کچھ اظہار کیے بغیر لوگوں کے آس پاس کھڑے ہو کر ان کی باتیں اس لئے سن رہے تھے کہ شاید کوئی بات اپنے مقصد کی مل جائے ۔

اس وقت واقعات و اخبار کا مرکز مسجد الحرام تھا۔ابوذر بھی اپنے ساز و سامان کے ساتھ مسجد الحرام پہنچے ۔دن کا اجالا رات کی تاریکی میں بدلا لیکن ابھی کچھ ہاتھ نہیں آیا جب رات کا ایک حصہ گذر گیا، چونکہ تھکے تھے اسی جگہ لیٹ گئے ۔ابھی دیر نہ گذری تھی کہ ایک جوان ابوذر کے پاس سے گذرا۔ اس جوان نے ابوذر کو سر سے پیر تک دیکھا اور ایک تجسسانہ نظر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ جوان کی نگاہ ابوذر کی نظر میں معنی خیز دکھائی دی ۔دل میں یہ بات پیدا ہوئی کہ شاید یہ جوان اس لائق ہو کہ اس کے سامنے میں اپنا راز بیان کرسکوں؛ آگے بڑھے اور اس جوان کے پیچھے چل پڑے ۔لیکن جرأت نہیں ہو رہی تھی کہ کچھ اظہار خیال کرسکیں پھر اپنی جگہ پلٹ آئے ۔ دوسرے روز پھر سارا دن مسجد الحرام میں جستجو ہی میں گذار دیا مگر کچھ مقصد حاصل نہ ہوسکا۔رات آئی اور پھر وہیں لیٹ گئے، پچھلی رات کی طرح ٹھیک اسی وقت وہی جوان نمودار ہوا، سامنے آیا اور ابوذر سے احترام کے ساتھ کہا:

''کیا وہ وقت نہیں آپہنچا کہ تم اپنے ہی گھر آؤ اور رات میں وہیں آرام کرو؟''

یہ کہہ کر جوان ابوذر کو اپنے گھر لے گیا۔ابوذر رات کو اسی جوان کے مہمان رہے، لیکن پھر بھی اپنا راز اس جوان کے سامنے بیان کرنے سے پرہیز کی ۔ جوان نے بھی ان سے کچھ نہ پوچھا۔صبح سویرے ہی ابوذر رخصت ہو کر اپنے مقصد کے لئے مسجد الحرام کی طرف چل پڑے ۔اس دن بھی رات ہوگئی اور ابوذر لوگوں کی مختلف باتوں کے سبب کچھ سمجھنے سے قاصر رہے ۔ جیسے ہی رات کا ایک حصہ گذرا پھر وہی جوان آیا اور ابوذر کو

اپنے ساتھ گھر لے گیا۔لیکن اس بار جوان نے طلسم سکوت توڑتے ہوئے پوچھا:

''کیا یہ بتانا تمہارے لئے ممکن ہے کہ تم اس شہر میں کس کام کے لئے آئے ہو؟''

''اگر میری مدد کرنے کی شرط کرو تو میں تم سے مقصدِ سفر کے بارے میں بتادوں گا۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری مدد میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔''

''حقیقت یہ ہے کہ ایک زمانے سے میں اپنے قبیلے میں سن رہا ہوں کہ مکہ میں ایک شخص نے ظہور کیا ہے جو اس بات کا مدعی ہے کہ وہ پیغامات اسے خدا کی جانب سے وحی ہوتے ہیں۔ میں اس لئے آیا ہوں تا کہ خود اپنی آنکھوں سے اسے دیکھوں اور اس کے بارے میں تحقیق کروں۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارا اپنا عقیدہ اس شخص کے بارے میں کیا ہے؟ دوسرے یہ کہ کیا تم مجھے اس شخص تک رہنمائی کر سکتے ہو؟''

''مطمئن رہو، وہ حق پر ہے اور جو کچھ کہہ رہا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے کل سویرے میں تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا۔لیکن جیسا کہ تم خود ہی جانتے ہو کہ اگر شہر کے لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ میں تمہیں اس شخص کے پاس لے جارہا ہوں تو دونوں کی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔ کل صبح میں آگے آگے چلوں گا اور تم کچھ فاصلے سے میرے پیچھے پیچھے آنا اور دیکھتے رہنا میں کہاں جارہا ہوں۔ میں آس پاس سے ہوشیار رہوں گا، اگر میں نے احساس کیا کہ کوئی خطرہ ہے تو کھڑا ہو جاؤں گا اور اس طرح جھک جاؤں گا کہ جیسے کوئی برتن خالی کررہا ہو۔تم اس علامت سے خطرے کی طرف متوجہ ہوجانا اور دور ہٹ جانا، لیکن اگر کوئی خطرہ پیش نہ آیا تو جہاں میں جاؤں وہیں تم بھی چلے آنا۔''

دوسرے دن صبح وہ جوان جو حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا گھر سے باہر آیا اور روانہ ہوگیا۔ ابوذر بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔خوش قسمتی سے کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔علیؑ نے ابوذر کو پیغمبرؐ کے گھر تک پہنچا دیا۔

ابوذر پیغمبرؐ کے طور طریقے کا مشاہدہ کرنے میں مشغول ہوگئے اور برابر قرآنی آیات کو غور سے سنتے رہے۔ ابھی دوسری نشست کا مرحلہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ابوذر نے نہایت شوق اور اپنی مرضی سے اسلام قبول کرلیا اور حضرت رسول خداصلعم سے عہد کیا کہ جب تک جان میں جان ہے خدا کی راہ میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔حق بات کے کہنے میں اگر تلخ ذائقہ بھی چکھنا پڑے پھر بھی اس کے کہنے سے باز نہیں آئیں گے۔

حضرت رسولؐ خدا نے ان سے فرمایا:''اب تم اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دو، جب تک میرا دوسرا حکم تم تک نہ پہنچے۔''

ابوذر نے کہا:''بہتر ہے،لیکن خدا کی قسم اس شہر کو ترک کرنے سے پہلے میں ان لوگوں کے درمیان ضرور جاؤں گا اور نفعِ اسلام کے لئے بلند آواز سے ایک نعرہ لگاؤں گا؛ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔''

ابوذر باہر آئے اور اپنے کو قلب مکہ یعنی مسجد الحرام تک پہنچایا اور قریش کے مجمع میں باآواز بلند کہا:

اشھد ان لا الہ الاّ اللہ وانّ محمداً عبدہ ورسولہ

مکہ والے اس نعرے کو سنتے ہی سوال وجواب کی مہلت دیے بغیر اس اجنبی شخص پر ٹوٹ پڑے۔ اگر عباس ابن عبد المطلب نے اپنے آپ کو ابوذر پر گرا نہ دیا ہوتا تو ابوذر کی ہڈی پسلی باقی نہ بچتی۔عباس نے مکہ والوں سے خطاب کر کے کہا:''یہ شخص قبیلۂ بنی غفار کا ہے۔'' قریش والوں کا تجارتی قافلہ مکہ سے شام اور شام سے مکہ اسی قبیلے کی سرزمین سے ہوتا ہوا گذرتا ہے۔ کیا تم کچھ بھی نہیں سوچتے کہ اگر ان کا ایک آدمی مارا جائے گا تو تم لوگوں کا سلامتی کے ساتھ ادھر سے گذرنا مشکل ہوجائے گا؟''

ابوذر نے قریش کے چنگل سے نجات پائی۔لیکن انہیں دلی طور سے اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اپنے دل میں کہا، ایک بار پھر اس عمل کا تکرار کروں گا۔ رہنے دو، یہ لوگ جس چیز کو

سنا پسند نہیں کرتے پھر ان کے گوش گذار ہوتا کہ سن سن کر دھیرے دھیرے عادت ڈالیں۔ دوسرے دن پھر پہلے روز کی طرح وہی نعرہ لگایا۔ دوبارہ قریش ان کے اوپر ٹوٹ پڑے اور عباس ابن عبدالمطلب کے ذریعہ سے نجات ملی۔

ابوذر اس واقعہ کے بعد اپنے قوم کے درمیان رسولؐ کے حکم کے مطابق واپس ہوئے اور ان لوگوں کی تعلیم وتبلیغ اور رہنمائی میں مشغول ہو گئے۔ جیسے ہی حضرت رسول اکرمؐ نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی حضرت ابوذر بھی تشریف لائے اور اپنی آخری زندگی تک مدینہ رسولؐ میں زندگی بسر کرتے رہے۔ ابوذر آخر وقت تک اسلام کی خاطر اپنی شعلہ بیانی کی حفاظت کرتے رہے۔ بس یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانے میں ابتدا میں شام اور پھر ''ربذہ'' جلاوطن کیے گئے اور اسی جگہ عالمِ تنہائی میں انتقال فرمایا۔

حضرت رسول خداصلعم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا:

''خدا ابوذر پر رحمت نازل کرے جو تنہا زندگی بسر کریں گے اور تنہا اس دنیا سے گذر جائیں گے اور تنہا ہی قیامت کے روز محشور ہوں گے۔''[1]

[1] اسد الغابہ، جلد مکیم، ص301، جلد5 ص186 والغدیر جلد8 ص314 مطبوعہ بیروت۔

رستم کے دربار میں

رستم فرخ زاد، عظیم لشکر اور مکمل ساز وسامان کے ساتھ مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے جنہوں نے پہلے ایرانیوں کو بہت سخت شکست دی تھی، قادسیہ میں وارد ہوا، مسلمان سعد وقاص کی قیادت میں قادسیہ تک پیش قدمی کر چکے تھے۔ سعد وقاص نے ایک دستہ جس کی قیادت زہرہ ابن عبداللہ کو دی تھی۔ ''مقدمہ الجیش'' کے طور پر آگے آگے چلنے کے لئے مرتب کیا۔ رستم نے قادسیہ میں ایک شب بسر کی، صبح دشمن کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے سوار ہو کر نکلا اور مسلمانوں کی چھاؤنی کے قریب آکر ایک پہاڑی سے کافی دیر تک مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگانے کے لئے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

ظاہر ہے کہ نہ تعداد نہ ساز وسامان نہ اسلحوں کی کثرت کوئی بھی ایسی چیز نہ تھی جو وحشت زدہ کر سکے مگر ایسا لگتا تھا، جیسے رستم کے دل پر الہام ہوا ہو کہ ان لوگوں سے جنگ کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا، رستم نے اسی شب زہرہ بن عبداللہ کو اپنے پاس بلایا اور صلح کی پیشکش کی لیکن اس صورت میں کہ کچھ روپے لے لیں اور واپس چلے جائیں۔

رستم نے غرور وتکبر میں جو اس کی عادت تھی۔ ان سے کہا۔ تم لوگ ہمارے پڑوسی تھے ہم نے تمہارے ساتھ نیکیاں کیں۔ تم لوگ ہمارے انعامات سے مستفید ہوتے تھے اگر کبھی کسی سے تمہیں کوئی خطرہ لاحق ہوتا تو ہم نے تمہاری حمایت کی اور بچایا، اس بات کی تاریخ گواہ ہے۔ رستم کی بات جب یہاں پہنچی تو زہرہ نے جواب دیا:

تو نے ماضی کی جو باتیں بیان کیں وہ سب صحیح، لیکن تجھے یہ حقیقت سمجھنی چاہیے کہ جو کل تھا وہ آج نہیں ہے۔ ہم ویسے نہیں رہ گئے کہ مادیات اور دنیا کی طمع میں رہیں۔ ہمارا مقصد اب دنیا نہیں آخرت ہے۔ ہم پہلے ویسے ہی تھے جیسا کہ تو نے کہا، لیکن اس وقت جب خدا نے اپنے پیغمبرؐ کو ہمارے درمیان مبعوث کیا اس نے ہمیں خدائے یکتا کی طرف دعوت

دی اور ہم نے اس کے دین کو قبول کیا۔ خدا نے اپنے پیغمبرؐ کی طرف وحی فرمائی کہ اگر تیرے پیرو اس پر ثابت قدم رہے جو ہم نے تم پر وحی کی ہے، تو ہم انہیں تمام اقوام و مذاہب پر تسلط بخشیں گے۔ جو اس دین سے متمسک ہوگا عزت پائے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا۔ ذلیل و رسول ہوگا۔''

رستم نے کہا:

''ممکن ہے اپنے دین کے بارے میں کچھ وضاحت کریں؟''

''اس دین کی بنیاد دو چیزیں ہیں:

خدا کی وحدانیت اور محمدؐ کی رسالت کی گواہی اور یہ کہ جو کچھ محمدؐ نے کہا وہ خدا کی طرف سے ہے۔''

''اس میں تو کوئی حرج نہیں اچھی بات ہے اور کہا؟''

''اپنے جیسے انسانوں کی بندگی سے بندگانِ خدا کو آزاد کرنا۔''[1]

یہ بھی اچھی بات ہے اور کیا؟

''تمام انسان ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں، سب فرزند آدم و حوا ہیں اس بنا پر سب ایک دوسرے کے بہن بھائی ہیں۔''[2]

''یہ بھی بہت اچھی بات ہے، اگر ہم ان چیزوں کو قبول کرلیں تو کیا تم واپس چلے جاؤ گے؟''

''ہاں خدا کی قسم ہم دوبارہ تمہاری سرزمین پر قدم نہ رکھیں گے، علاوہ تجارت اور دوسرے ایسے ہی کاموں کے لئے۔ ہم نے جو کچھ کہا اس کے علاوہ ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔''

---

[1] واخراج العباد من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ

[2] الناس بنو آدم و حواء اخوۃ لاب و ام

''صحیح کہتے ہو۔ لیکن ایک رکاوٹ ہے اردشیر کے زمانے سے ہم ایرانیوں کے یہاں ایک رسم چلی آ رہی ہے جو تمہارے دین سے میل نہیں کھاتی۔ اس زمانے سے یہ رسم رائج ہے کہ پست طبقے جیسے کاشتکار اور مزدور انہیں اس بات کا حق نہیں ہے کہ اپنے کام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا کام کرسکیں۔ اگر پست طبقے یا ان کی اولاد کو اس بات کا حق دے دیا جائے کہ وہ اپنے کام کو تبدیل کر کے طبقے میں تغیر کرلیں او راشراف کی صف میں آ جائیں، تو وہ اپنا پیر پھیلاتے جائیں گے اور طبقات عالیہ اور شرفا کے ساتھ رقابت اور مقابلے کے لئے اٹھیں گے۔ پس بہتر یہی ہے کہ ایک کاشتکار کا بیٹا یہ جان لے کہ اس کو کاشتکار ہی ہونا چاہیے لوہار کے بیٹے کو لوہار ہی ہونا چاہیے اس کے علاوہ دوسرے کام کا حق نہیں رکھتا اور اسی طرح سب کو۔۔۔۔۔''

''لیکن ہم انسانوں کے لئے تمام لوگوں سے بہتر ہیں۔''

ہم تم جیسے نہیں ہوسکتے کہ اپنے درمیان اس طرح طبقہ بندی کے قائل ہوں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ امر خدا کی اطاعت انہیں پست طبقوں میں کریں۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہمارے عقیدہ کی بناء پر تمام لوگ ایک ماں باپ سے پیدا ہوئے اور سب کے سب برابر اور آپس میں بھائی ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اپنے فریضہ کے بموجب دوسروں سے نیک رفتار کریں اور اگر ہم اپنے فریضہ کے مطابق عمل کریں گے تو ان لوگوں کا اپنے فریضہ پر عمل نہ کرنا ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اپنے وظیفہ پر عمل کرنا انسان کو تحفظ دیتا ہے۔

زہرہ عبداللہ نے یہ باتیں کہیں اور چلے گئے رستم نے تمام فوجی سرداروں کو جمع کیا اور اس مسلمان کی گفتگو سنائی۔ ان لوگوں نے ان باتوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ رستم نے سعد وقاص کو پیغام دیا کہ ایک نمائندہ رسمی گفتگو کے لئے ہمارے پاس بھیجا جائے۔ سعد وقاص نے چاہا اس کام کے لئے ایک وفد کو مامور کرلے، لیکن ربعی بن عامر جو وہاں حاضر تھے انہوں نے اس میں مصلحت نہیں سمجھی اور کہا:

"ایرانیوں کی مخصوص تہذیب ہے۔ اگر نمائندگی کے لئے ان کی طرف کوئی جماعت روانہ کی گئی تو وہ اسے اپنی اہمیت کی دلیل قرار دیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہم انہیں کچھ زیادہ ہی اہمیت دیتے ہیں جو ایک جماعت بھیجی ہے صرف ایک آدمی بھیج دیں کافی ہے۔"

اس کام کے لئے خود ربعی کا انتخاب ہوا۔

ادھر رستم کو خبر دی گئی کہ سعد وقاص کا نمائندہ آیا ہے مسلمانوں کے نمائندہ سے ملنے کا انداز کیا ہونا چاہیے اس سلسلہ میں رستم نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا۔ تمام لوگوں نے متفقہ رائے دی کہ بے اعتنائی برتنی چاہیے اور ظاہر کرنا چاہیے کہ ہم تمہاری کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ تم ہمارے سامنے حقیر ہو۔ رستم نے چاہا کہ ایرانی شوکت وجلال مسلمانوں کو دکھائے، اس لئے اس کے حکم پر تخت زریں بچھایا گیا اور وہ اس پر بیٹھا، بہترین فرش بچھائے گئے اور ایسے تکیے رکھے گئے۔ جس پر سونے کا کام تھا، مسلمانوں کا نمائندہ اس کیفیت میں آیا کہ گھوڑے پر سوار تلوار ایک پرانے غلاف میں لپٹی ہوئی نیزہ ایک کھال کے غلاف میں بند تھا، نظر اٹھا کر دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ آرائش وزینت یہ شان وشوکت اسے دکھانے کے لئے ہے متقابلاً مسلمانوں کے نمائندہ نے یہ سمجھانے کے لئے، کہ ہماری نظر میں اس شان وشوکت کی کوئی اہمیت نہیں ہمارا مقصود کچھ اور ہے۔

اس لئے جب رستم کے قیام گاہ کے قریب پہنچا ذرا بھی نہیں رکا، اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے آگے بڑھا۔ ماموریں نے "اس سے پیدا چلنے کی" درخواست کی مگر وہ نہیں مانا اور رستم کے خیمہ کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت گھوڑے سے اتر کر ایک زریں تکیہ کو اپنے نیزہ سے سوراخ کر کے گھوڑے کی رسی اس میں ڈال کر گرہ لگا دی۔ مخصوصاً اپنے اونٹ کا پرانا پالان اپنے کاندھے پر ڈال لیا۔ اس سے لوگوں نے کہا: "اپنے اسلحہ کو پہلے حوالے کر دے۔ اس کے بعد رستم کے پاس جائے مگر اس نے کہا: میں اسلحہ نہیں دونگا، تم نے نمائندہ

طلب کیا تھا اور میں نمائندہ کی حیثیت سے آیا ہوں، اگر نہیں چاہتے تو واپس جاتا ہوں، رستم نے جب یہ دیکھا تو کہا آنے دو وہ جیسے چاہتا ہے آئے۔"

ربعی بن عامر، وقار وطمانیت کے ساتھ نپے تلے قدم رکھتے ہوئے نیزہ کو عصا کی جگہ استعمال کر کے عمداً فرش کو پارہ پارہ کرتے ہوئے رستم کے قریب پہنچے اور جب بیٹھنا چاہا تو فرش کھسکا کر خاک پر بیٹھے لوگوں نے کہا: "کیوں فرش پر نہیں بیٹھے؟" تو جواب دیا: "ہمیں زیورات پر بیٹھنا پسند نہیں۔"

رستم کے مخصوص مترجم نے سوال کیا:

"آپ لوگ کیوں یہاں آئے ہیں؟"

"خدا نے ہمیں بھیجا ہے اور مامور کیا ہے کہ اس کے بندوں کو سختی اور بدبختی سے رہائی دیں اور وہ لوگ جو ظلم وستم کا شکار ہیں انہیں نجات دے کر عدل اسلامی کے سایہ میں لے آئیں [1]۔ اور ہم دین خدا کو جوان بنیادوں پر ہے تمام اقوام ومذاہب کے سامنے پیش کریں گے۔ اگر قبول کر لیا تو اس دین کے سایہ میں خوش وخرم رہ کر ساعت مندانہ زندگی گزاریں گے اور ہمیں ان سے کوئی سروکار نہ ہوگا اور اگر قبول نہ کیا تو ہم ان سے جنگ کریں گے، اس وقت یا ہم قتل ہو کر بہشت میں جائیں گے یا دشمن پر غالب آئیں گے۔"

"بہت خوب، تمہاری بات سمجھ میں آگئی، ہمیں کچھ مہلت دے سکتے ہو کہ ہم غور وفکر کر سکیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"اس میں کیا حرج ہے، کتنے دنوں کی مہلت چاہیے، ایک دن یا دو دن؟"

ایک دو دن کافی نہیں ہے، ہمیں اپنے بزرگوں اور رؤسا کو خط لکھنے ہیں اور وہ مدتوں آپس میں مشورہ کریں گے تا کہ کسی نتیجہ تک پہنچا جا سکے۔"

---

[1] اللہ جاء بنا وبعثنا لنخرج من یشاء من عبادہ من ضیق الدنیا الی سعتہا ومن جور الادیان الی عدل الاسلام

ربعی نے جوان لوگوں کا مقصد سمجھ گئے تھے کہ وقت ٹالنا چاہتے ہیں کہا:

''ہمارے پیغمبرؐ کی سنت اور رہبروں کے عمل کے مطابق ایسے مواقع پر تین روز سے زیادہ تاخیر کرنا جائز نہیں۔ میں تین دن کی مہلت دیتا ہوں کہ ان تین چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرو: یا اسلام لے آؤ، اس صورت میں ہم جس راستے سے آئے ہیں واپس لوٹیں گے، تمہاری سرزمین تمام نعمتوں کے ساتھ تمہاری ہے۔ ہمیں تمہاری زمین یا مال و دولت کی لالچ نہیں یا جزیہ دینا قبول کرد یا جنگ کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔''

''معلوم ہوتا ہے کہ تم ہی سپہ سالار ہو جو ہم سے اقرار لے رہے ہو۔''

''نہیں میں ایک عام آدمی ہوں، لیکن مسلمان جو ایک پیکر کے اعضاء میں، سب ایک جیسے ہیں، اگر انہیں کا چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی کسی کو امان دے تو ایسا ہے جیسے سب

نے امان دی ہو۔[1] سب ایک دوسرے کے امان وعہد و پیمان کا احترام کرتے ہیں۔''

اس واقعہ کے بعد جس سے رستم بہت ہی متاثر تھا اپنے فوجی سرداروں سے

---

[1] ''ولکن المسلمین کالجسد الواحد بعضهم من بعض یجیر ادناهم علی اعلاهم'' ربعی کی یہ عبارت ہے مسلمان آپس میں ایک جسم کے اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں جو اءنی کہہ دے وہ گویا اعلیٰ نے کہا ہے۔ انہوں نے یہ جملہ رسولؐ کی دو حدیثوں سے اقتباس کیا ہے۔

الف: ''مثل المؤمنین فی توادهم وتراحمهم کمثل الجسد اذا اشتکی بعض تداعی له سائر اعضاء جسده بالحمی والسهر'' مومنین محبت و مہربانی میں ایک جسم کے مانند ہیں جب ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے اعضاء بے خوابی اور بے چینی میں اس کے ہمدم ہوتے ہین۔'' سعدی اس حدیث کے مضمون کیطرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے:

بنی آدم اعضائی یک پیکرند — کہ در آفرنیش ز یک گوھرند

وعضوی بدرد آور در روزگار — دگر عضوھا را نماند قرار

بنی آدم ایک جسم کے اعضاء ہیں کہ ان کی پیدائش ایک گوہر سے ہے۔ جب کوئی عضو مبتلاء درد ہو تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا۔

خود حضرت عمرؓ بھی جب فوج ایران کی طرف بھیج رہے تھے تو اس حدیث کی طرف اپنے خطبہ میں اشارہ کیا اور کہا: (۲) انّ الله عزوجل قد جمع علی الاسلام اهله فالف بین القلوب وجعلهم فیه اخوانا و المسلمون فیمابینهم کالجسد لا یخلو منه شئی من شئی اصاب غیره و کذلك یحق علی المسلمین ان یکونوا وامرهم شوریٰ بینهم بین ذوی الرای نهم۔

اللہ نے اہل اسلام کو ایک محور، اسلام کے گرد جمع کیا اور ایک دوسرے کے لئے دلوں میں محبت پیدا کی اور آپس میں ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا اور مسلمان یک بدن کے اعضاء ہیں جب کوئی مصیبت کسی ایک عضو کے لئے ہوگی تو اس کا اثر سارے اعضاء پر ہوگا مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا کام صاحبان رائے کے مشورہ سے انجام دیں۔ (ابن اثیر جلد 2 صفحہ 310)

(ب): المسلمون تتکافؤ دماءهم، یسعی بذمتهم ادناهم، وهم ید علی من سواهم مسلمانوں کا خون مساوی ہے یہ ایک دوسرے کے عہد و پیمان کو محترم سمجھتے ہیں اور دشمن کے مقابل یہ ایک ہاتھ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کے سلسلہ میں مشورہ کیا اور ان لوگوں سے پوچھا:

مسلمانوں کو کیسا پایا؟ آیا پوری عمر میں اس مرد سے عالی بحکم اور روشن گفتگو تم لوگوں نے سنی ہے۔ اب تمہاری رائے کیا ہے؟

’’نہیں ممکن ہے کہ ہم اس کے دین کو قبول کرلیں، آیا نہیں دیکھا کتنا بوسیدہ اور پرانا لباس پہنے تھا؟‘‘

’’تمہیں لباس سے کیا سروکار، فکر و گفتگو دیکھو، روش و عمل ملاحظہ کرو۔‘‘

لیکن رستم کی باتوں کو لوگوں نے قبول نہیں کیا۔ وہ لوگ اتنے زیادہ غرور میں گرفتار تھے کہ حقائق کو درک نہ کرسکے۔ رستم نے دیکھا کہ کوئی ہم خیال و ہم فکر نہیں ہے۔ مسلمان نمائندوں سے گفتگو اور اپنے سپاہیوں سے مشورہ کے طولانی سلسلہ کے بعد، رستم کوئی راہ حل تلاش نہ کرسکا اور جنگ کے لئے آمادہ ہوگیا، اسے ایسی شکست ہوئی جسے تاریخ بھلا نہ سکے گی۔ اپنی جان دوسروں کی خودسری کی وجہ سے گنوادی۔‘‘[1]

[1] کامل ابن اثیر جلد 2 صفحہ 321۔ وقائع سال 14 ہجری

بستر سے فرار

55 سال کی عمر میں پیغمبرؐ اسلام نے ایک لڑکی سے شادی کی جس کا نام عائشہ تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے خدیجہ سے شادی کی تھی جو (ایک خیال کی بنا پر) ان سے عمر میں 15 سال بڑی تھیں اور اس سے قبل دو آدمیوں کے نکاح میں رہ چکی تھیں۔ شادی کے وقت پیغمبرؐ کی عمر 25 سال کی تھی اور خدیجہ اپنی زندگی کے چالیس سال پورے کرچکی تھیں۔ شادی کے بعد خدیجہ پچیس سال تک پیغمبرؐ کے ساتھ بقیدِ حیات رہیں۔ ان کے بطن سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں۔ آخرکار 65 سال کی عمر میں ان کی وفات ہوگئی۔

خدیجہ کی وفات کے بعد پیغمبر اسلامؐ نے ایک بیوہ عورت سے شادی کرلی جس کا نام سودہ تھا اس کے بعد انہوں نے عائشہ نام کی ایک کنواری لڑکی سے شادی کرلی اور وہ اپنے باپ کے گھر سے رخصت ہوکر پیغمبرؐ کے گھر آگئیں۔ عائشہ کے بعد بھی پیغمبر اسلامؐ نے متعدد عورتوں سے شادی کی مگر ان میں سے کوئی کنواری لڑکی نہ تھی بلکہ سب بیوہ اور غالباً سن رسیدہ عورتیں تھیں اور ان میں کچھ صاحبِ اولاد بھی تھیں پیغمبرؐ کی دیگر ازواج کے درمیان عائشہ فخریہ انداز میں یہ کہا کرتی تھیں۔ ’’تنہا میں وہ عورت ہوں جس نے شوہر کی حیثیت سے پیغمبرؐ کے کے علاوہ کسی دوسرے مرد کا منہ نہیں دیکھا۔‘‘ انہیں اپنی خوبصورتی پر بھی بڑا ناز تھا۔ ان دو چیزوں نے انہیں کسی حد تک مغرور بنادیا تھا اور کبھی کبھی پیغمبرؐ ان سے خفا بھی ہوجاتے تھے۔ عائشہ اپنے طور پر یہ چاہتی تھیں کہ پیغمبرؐ ان کی موجودگی میں کسی دوسری عورت کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ کیونکہ فطری بات ہے کہ ایک نوجوان اور خوبصورت زوجہ کے ہوتے ہوئے سن رسیدہ اور حسن سے عاری عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا ایک مرد کے لئے محرومیت اور ناکامی کا بوجھ برداشت کرنا ہے خصوصاً پیغمبرؐ جیسے مرد کے لئے جو ہر عورت کے حق اور اس کی باری کے سلسلے میں کمالِ عدالت و دقت نظر سے کام لے۔

لیکن پیغمبرؐ اسلام نے کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اس دور کے اسلام کے سیاسی اور سماجی مصالح اور تقاضوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے متعدد شادیاں کی تھیں لہٰذا وہ ان پہلوؤں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی کے آخری دس برسوں کے دوران ایسی متعدد عورتوں سے شادی کی جو بیوہ و بے سہارا تھیں یا شوہر کے قتل یا کسی دوسری وجہ سے بے سہارا ہوگئی تھیں۔ دوسری بات، جس کی وجہ سے عائشہ کبھی کبھی پیغمبرؐ سے خفا ہو جاتی تھیں، یہ تھی کہ پیغمبرؐ کبھی بھی ساری رات بستر پر نہیں رکتے تھے۔ رات کا ایک تہائی حصہ، کبھی نصف شب اور کبھی نصف شب کے بعد کا وقت بھی بستر سے دور عبادتِ الٰہی، تلاوت قرآن اور استغفار میں بسر کر دیتے تھے۔ ایک رات عائشہ کی باری تھی۔ پیغمبرؐ نے عبا، قبا اور نعلین اتار کر اپنے پیروں کے نیچے رکھے اور بستر پر تشریف لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد یہ سمجھتے ہوئے کہ عائشہ سوگئیں وہ بستر سے اٹھے، جوتیاں پہنیں، دروازہ کھولا، پھر خاموشی سے دروازہ بند کیا اور باہر چلے گئے۔ عائشہ کو ابھی نیند نہ آئی تھی وہ پوری طرح بیدار تھیں اور ان کے لئے یہ انتہائی عجیب وغریب واقعہ تھا کیونکہ اس سے پہلے وہ یہ دیکھا کرتی تھیں کہ پیغمبرؐ بستر سے اٹھ کر کمرے کے ایک گوشے میں عبادت خدا میں مصروف ہو جاتے تھے انہوں نے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا کہ پیغمبرؐ انہیں چھوڑ کر اس طرح کمرے سے باہر چلے گئے ہوں۔

وہ سوچنے لگیں کہ آخر پیغمبرؐ اس وقت کہاں جا رہے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ پیغمبرؐ اپنی دوسری ازواج میں سے کسی کے پاس جا رہے ہوں۔ وہ خود ہی یہ سوچنے لگیں کہ آج رات باری میری ہے اس کے باوجود کیا پیغمبرؐ کسی دوسری زوجہ کے گھر رات بسر کریں گے؟!! اے کاش ان کی دوسری ازواج بھی نوجوان اور خوبصورت ہوتیں اور عمدہ حرم سرا کی تشکیل کی ہوتی، لیکن پیغمبرؐ نے ایسا بھی تو نہیں کیا ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ۔

بلکہ اپنے ارد گرد کچھ بیوہ اور سن رسیدہ عورتوں کو جمع کر لیا ہے۔ آخر معاملہ کیا ہے

کچھ تو معلوم ہو کہ اتنی رات گئے پیغمبرؐ بستر سے اٹھ کر کہاں جا رہے ہیں؟ عائشہ نے چادر اپنے بدن پر ڈالی اور سایہ کی طرح پیغمبرؐ کے پیچھے چل پڑیں۔ انہوں نے دیکھا کہ پیغمبرؐ گھر سے نکل کر سیدھے بقیع کی طرف جا رہے ہیں۔ پیغمبرؐ کے حکم سے لوگوں نے بقیع کو قبرستان بنالیا تھا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک کنارے پر کھڑے ہوگئے۔ عائشہ بھی بقیع پہنچ کر ایک گوشے میں چھپ گئیں انہوں نے دیکھا کہ پیغمبرؐ نے تین مرتبہ اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کیا۔ اس کے بعد وہ ایک طرف مڑے اور تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگے۔ عائشہ بھی اسی سمت چل پڑیں۔ پیغمبرؐ نے اپنی رفتار اور تیز کر لی۔ عائشہ بھی تیز رفتاری کے ساتھ چلنے لگیں۔ پیغمبرؐ دوڑنے لگے۔ عائشہ بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑنے لگیں۔ اس کے بعد پیغمبرؐ گھر کی طرف چل پڑے۔

عائشہ بجلی کی طرح پیغمبرؐ سے پہلے گھر پہنچ کر بستر پر لیٹ گئیں۔ جب پیغمبرؐ گھر کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے عائشہ کی تیز سانس کی آواز سنی۔ کہنے لگے عائشہ! کیا بات ہے۔ تم اس طرح سانس کیوں لے رہی ہو جیسے تیز رفتاری سے مسافت طے کرنے والا گھوڑا ہانپنے لگتا ہے؟

''یارسولؐ اللہ! ایسا کچھ نہیں ہے۔''

''بتادو۔ اگر نہ بتاؤں گی تو خداوند عالم ہمیں حقیقت سے بے خبر نہ رکھے گا۔''

''یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ جس وقت آپ گھر سے باہر نکلے میں جاگ رہی تھی۔ میں نے یہ جاننا چاہا کہ اتنی رات گئے آپ کہاں جا رہے ہیں؟ آپ کے پیچھے پیچھے میں بھی گھر سے باہر آگئی اور اتنی دیر تک آپ کے احوال کا مشاہدہ کرتی رہی۔''

''اچھا! واپس آتے وقت مجھے اندھیرے میں جو پرچھائیں سی نظر آئی تھی وہ تم تھیں؟''

”ہاں! یارسول اللہ“

پیغمبرؐ نے عائشہ کی پشت پر آہستہ سے ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”کیا تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ خدا اور پیغمبرؐ خدا تمہارے ساتھ ظلم وناانصافی سے کام لے گا اور تمہارا حق دوسرے کو دے دے گا؟“

”یارسولؐ اللہ! خداوندعالم ان تمام باتوں سے بخوبی واقف ہے جو لوگ اپنے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ وہ پروردگار آپ کو بھی لوگوں کے دل کے راز سے آگاہ کردیتا ہے؟“

”ہاں! اس وقت بقیع اس لئے گیا تھا کہ فرشتہ الٰہی جبرئیل تشریف لائے۔ مجھے اس طرح آواز دی کہ تم نہ سن سکو۔ میں نے انہیں جواب دیا لیکن تم سے اس لئے نہیں کہا کہ میرا خیال تھا کہ تم گہری نیند سوگئی۔ میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ تمہیں جگا کر یہ بتاؤں کہ مجھے وحی الٰہی سننے کے لئے تنہا ہونا چاہیے اس کے علاوہ میں نے یہ سوچا کہ کہیں تم ڈر نہ جاؤ اسی لئے میں اپنے کمرے سے آہستہ باہر چلا گیا۔ خدا کے فرشتے نے مجھ سے کہا کہ بقیع جاؤں اور وہاں پر دفن لوگوں کی مغفرت کے لئے دعا کروں۔

”یارسول اللہ! اگر میں مردوں کی مغفرت کے لئے دعا کرنا چاہوں تو کیا کہوں۔“

”کہو!

السلام علی اهل الدیار من المومنین والمسلمین، ویرحم الله المستقدمین مناوالمستاخرین. فانا انشاالله للاحقون.“[1]

[1] مسند احمد حنبل جلد 6 ص 221

بے لچک سیاست

خلیفہ سوم کے قتل کے بعد رونما ہونے والے انقلابی ماحول کے نتیجے میں عہدۂ خلافت کے لئے حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ کسی دوسرے شخص کا نام پیش نہ ہوسکا لوگ گروہ در گروہ آئے اور علیؑ ابن ابی طالب کے ہاتھوں پر بیعت کرلی۔

دوسرے دن حضرت علیؑ منبر پر تشریف لے گئے خدا کی حمد وثنا اور پیغمبر عظیم الشان پر درود وسلام کے بعد انہوں نے وعظ بیان کرتے ہوئے لوگوں سے فرمایا:

”اے لوگو! پیغمبرؐ اسلام کی وفات کے بعد لوگوں نے ابوبکر کو خلیفہ منتخب کرلیا۔ اس کے بعد ابوبکر نے عمر کو اپنا جانشین مقرر کردیا۔ عمر نے خلافت کا عہدہ سپرد کرنے کے لئے ایک شوریٰ مقرر کردی۔ شوریٰ کے فیصلے کے مطابق عثمان خلیفہ ہوگئے۔ تم لوگ عثمان کے کام سے ناراض ہوئے۔ آخرکار ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا گیا اور بعد میں انہیں قتل کردیا گیا۔ اس کے بعد تم لوگ میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنی خوشی سے میری بیعت قبول کرلی۔ میں تم میں سے اور تمہیں لوگوں جیسا ایک انسان ہوں۔ جو چیز تمہارے لئے ہے وہی میرے لئے بھی ہے۔ تمہاری اور میری ذمہ داری ایک ہی جیسی ہے۔ خداوندعالم نے تمہارے اور اہل قبلہ کے درمیان یہ دروازہ کھول دیا ہے فتنہ تاریک رات کی طرح سامنے کھڑا ہوا ہے۔ خلافت کا بوجھ وہی شخص اپنے کندھوں پر اٹھا سکتا ہے جو طاقتور ہو اور صابر بھی اور صاحب بصیرت بھی ہو اور عقل مند بھی۔ میری روش یہ ہے کہ میں تم لوگوں کو پیغمبرؐ کی روش وسیرت کی طرف واپس لے آؤں۔ میں جس چیز کا وعدہ کرتا ہوں اسے پوری طرح وفا کروں گا لیکن شرط یہ ہے کہ تم لوگ بھی استقامت اور ثابت قدمی سے کام لیتے رہو۔ البتہ اس سلسلے میں ہم لوگوں کو پروردگار سے مدد وتوفیق طلب کرتے رہنا چاہیے۔ آپ لوگوں کے سامنے میں اس بات کی وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ پیغمبرؐ کے لئے ان کی وفات کے بعد بھی میں بالکل

ویسا ہی ہوں جیسا کہ ان کی زندگی میں تھا۔''

تم لوگ اصول وقوانین کے مطابق زندگی بسر کرتے ہوئے اطاعت وبندگی کی حفاظت کرتے رہو۔ میں جو کچھ کہتا ہوں اس پر عمل کرو۔ اگر تمہیں عجیب اور ناقابل قبول چیز نظر آئے تو اس کی نفی وتردید میں جلدی نہ کرو۔ میں ایسا کوئی کام نہیں کرتا ہوں جو میری ذمہ داری میں شامل نہ ہو اور ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاتا جس کے لئے بارگاہ خداوندی میں کوئی معقول عذر نہ پیش کرسکوں۔ خداوند عالم ہم سبھی لوگوں کو دیکھ رہا ہے اور ہمارے جملہ امور اس کے احاطے کے اندر ہیں۔ عہدۂ خلافت سے میری کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ میں نے پیغمبرؐ کی زبان سے یہ کلمات سنے ہیں۔''

''میرے بعد جو شخص امت کے معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے گا اسے قیامت کے دن صراط کے پل پر روک دیا جائے گا اس کے بعد فرشتے اس کا نامۂ اعمال پیش کریں گے اگر اس نے عدل وانصاف سے کام لیا ہوگا تو پروردگار اس شخص کی عدالت کی وجہ سے اسے نجات عطا کردے گا اور اگر وہ ظالم وستمگر ہوا تو پل صراط کو جنبش ہوگی اور وہ شخص جہنم میں گر جائے گا۔''

لیکن جب تم لوگوں نے اتفاق رائے سے مجھے خلیفہ منتخب کرلیا تو میرے انکار اور بہانہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے منبر کے داہنے اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں پر نگاہ دوڑائی۔ پھر اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اے لوگو! اب میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے عوام کی جیب اور بیت المال سے اپنی جیب گرم کر لی ہے، بڑی بڑی جائیداد بنالی ہے، نہریں جاری کر رکھی ہیں۔ عمدہ قسم کے گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں، نازک بدن اور خوبصورت کنیزیں خرید رکھی ہیں اور دنیاوی لذتوں میں اپنے آپ کو غرق کر رکھا ہے میں کل ہی سے ان کی اس راہ میں رکاوٹ پیدا کرنا شروع کردوں گا۔ ان لوگوں نے جو چیزیں ناجائز طریقے سے حاصل کی ہیں

انہیں میں ان سے واپس لے لوں گا اور ان لوگوں کے پاس اتنا ہی چھوڑوں گا جو ان کا جائز حق ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کل یہ لوگ کہنے لگیں کہ علی بن ابی طالب نے ہمیں دھوکے میں رکھا۔ اسی لئے میں آج صاف لفظوں میں یہ اعلان کیے دیتا ہوں کہ میں تمام مراعات ختم کروں گا۔

یہاں تک کہ پیغمبرؐ کی مصاحبت اور ماضی میں اسلام کی خدمت کرنے والوں کو بھی خصوصی مراعات اور کسی قسم کا کوئی امتیاز حاصل نہ ہوگا۔ دور ماضی میں جن لوگوں کو پیغمبرؐ کی مصاحبت کا شرف حاصل تھا اور جن لوگوں نے اس زمانے میں دین خدا کی خدمت کی ہے، اس کا اجر انہیں پروردگار سے ملے گا۔ گذشتہ زندگی کے درخشاں کارناموں کی وجہ سے آج ہم ان کے اور عام لوگوں کے درمیان کسی قسم کے امتیاز کے قائل نہ ہوں گے۔ جو شخص آج ہماری آواز حق کو قبول کر لیتا ہے۔ ہمارے قبلے کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اس کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو حیات پیغمبرؐ میں اسلام قبول کرنے والے کو حاصل ہیں۔ تم لوگ بندگان خدا ہو اور مال خدا کی ملکیت ہے لہٰذا تم لوگوں کے درمیان مال کی تقسیم کے سلسلے میں مساوات لازمی ہے۔

کسی شخص کو دوسرے پر کوئی فضیلت وبرتری حاصل نہیں ہے۔ پس کل تم لوگ آجاؤ تاکہ بیت المال میں جو مال ہے اسے تقسیم کر دیا جائے۔'' دوسرے دن لوگ صحن مسجد میں جمع ہوئے حضرت علیؑ نے بیت المال میں جو کچھ تھا اسے برابر تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصے میں تین تین دینار آئے۔ ایک شخص کہنے لگا ''یا علیؑ! تم مجھے تین دینار دے رہے ہو اور فلاں آدمی کو بھی، جو کل تک میرا غلام تھا، تم نے تین دینار دیے۔''

علیؑ نے جواب دیا: ''میں نے جو کچھ کیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔''

طلحہ وزبیر وعبداللہ بن عمروسعید بن عاص اور مروان بن حکم جیسے لوگوں نے، جنہیں برسوں سے امتیاز اور خصوصی مراعات کی عادت پڑ چکی تھی، اپنا حصہ لینے سے انکار

کر دیا اور مسجد سے باہر نکل گئے دوسرے دن لوگ مسجد میں جمع ہوئے۔ یہ لوگ بھی مسجد میں آئے لیکن تمام لوگوں سے الگ ایک گوشے میں بیٹھ گئے اور آپس میں بحث ومباحثہ کرنے لگے۔تھوڑی دیر بعد ان لوگوں نے ولید بن عقبہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت علی کے پاس بھیجا۔

ولید حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

''یا ابا الحسنؑ! تم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہو کہ اسلام و جاہلیت کے درمیان جو جنگیں ہوئی تھیں ان کی وجہ سے ہم جو یہاں بیٹھے ہیں تم سے خوش نہیں ہیں کیونکہ ان جنگوں کے درمیان ہمارا ایک یا ایک سے زیادہ عزیز تمہاری تلوار سے قتل ہوا ہے۔ جنگ بدر میں میرا باپ تمہاری تلوار سے قتل ہوا تھا۔ بہرحال ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر تم ہماری دو شرائط قبول کر لو تو ہم لوگ تمہاری بیعت کے لئے آمادہ ہیں۔

''ہماری پہلی شرط یہ ہے کہ تم نے کل جو باتیں کہی ہیں انہیں واپس لے لو اور گذشتہ دور میں جو کچھ ہوا ہے اس سے کوئی سروکار نہ رکھو۔ پچھلے خلفاء کے دور حکومت میں کسی شخص نے جس طرح بھی مال جمع کیا ہو اس سے کوئی مطلب وغرض مت رکھو۔ تمہیں صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ تمہارے دور خلافت میں کوئی شخص ناجائز طریقے سے مال جمع نہ کرنے پائے۔''

ہماری دوسری شرط یہ ہے کہ قاتلان عثمان کو تم ہماری تحویل میں دے دو تا کہ ہم لوگ ان سے قصاص وانتقام لیں اور اگر ہم لوگوں کو تمہاری طرف سے امن وسلامتی کی گارنٹی نہ ملی تو ہم اس بات کے لئے مجبور ہیں کہ شام چلے جائیں اور معاویہ سے ملحق ہو جائیں۔''

حضرت علیؑ نے ارشاد فرمایا: ''اسلام اور جاہلیت کے درمیان ہونے والی جنگ میں جو لوگ قتل ہوئے ہیں ان کے خون کی ذمہ داری میری گردن پر نہیں ہے کیونکہ وہ ذاتی جنگ نہ تھی بلکہ وہ جنگ تو حق و باطل کے درمیان تھی۔ اگر اس سلسلے میں کوئی مطالبہ کرنا چاہتے ہو تو باطل کی طرف سے حق کے خلاف اپنا دعویٰ پیش کرو میرے خلاف نہیں۔ اب سوال

پیدا ہوتا ہے ان حقوق کا جو گذشتہ دور میں پامال ہوئے ہیں۔اس سلسلے میں میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ شرعی اعتبار سے میری یہ ذمہ داری ہے کہ جن لوگوں کے حقوق پامال ہوئے ہیں انہیں ان کا حق دلاؤں۔ اس بات کو نظر انداز کر دینا میرے اختیار سے باہر ہے۔ رہا قاتلانِ عثمان کا معاملہ! اگر میں نے اپنی شرعی ذمہ داری کی تشخیص کر لی ہوتی تو میں ان لوگوں سے کل ہی قصاص لے چکا ہوتا۔ انہیں آج تک کی مہلت ہرگز نہ دیتا۔''

یہ جوابات سننے کے بعد ولید وہاں سے اٹھ کر کھڑا ہوا ساتھیوں کے پاس گیا اور ساری روداد ان کے سامنے پیش کر دی۔ ان لوگوں کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ علیؑ کی سیاست میں لچک اور ہیرا پھیری کی گنجائش نہیں ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے اسی وقت سے گڑبڑ پھیلانا شروع کر دی۔

علیؑ کے کچھ دوست ان کے پاس آئے اور کہنے لگے۔'' یا علیؑ! یہ لوگ قتل حضرت عثمان کے بہانے بہت جلد ہی آشوب اور گڑبڑ پیدا کر دیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ قتل حضرت عثمان محض ایک بہانہ ہے، ان لوگوں کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ آپ نے نئے اور پرانے یا ایرانی اور غیر ایرانی مسلمانوں کے درمیان مساوات اور برابری پیدا کر دی ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کے امتیاز کو برقرار رکھیں اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیں تو یہ فتنہ ختم ہو سکتا ہے۔''

چونکہ یہ ممکن ہے کہ علی کے اکثر دوستوں میں یہ اعتراض پیدا ہو جائے کہ ''آخر مساوات کی پیروی کے سلسلے میں اتنا اصرار کیوں کیا جا رہا ہے؟'' لہٰذا دوسرے دن حضرت علیؑ نے اپنی گردن میں تلوار لٹکائی۔ ان کے جسم پر دو کپڑے تھے۔ ایک کپڑا انہوں نے اپنی کمر میں باندھ رکھا تھا اور دوسرے کپڑے کو کندھے پر ڈال رکھا تھا۔ غرض کہ وہ اسی حالت میں مسجد پہنچے۔ اپنی کمان پر تکیہ کیے ہوئے وہ منبر کے اوپر کھڑے ہو گئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''ہم اپنے معبود کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہم لوگوں کو ظاہری اور پوشیدہ نعمتوں سے مالا مال کررکھا ہے۔ یہ تمام نعمتیں اس کے فضل وکرم کا نتیجہ ہیں۔ ان نعمتوں کو عطا کرتے وقت اس پروردگار نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم ان نعمتوں کے مستحق ہیں یا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوندعالم ہمارا امتحان لینا چاہتا ہے کہ ہم شکرادا کرتے ہیں یا کفران نعمت۔ خداوندعالم کے نزدیک لوگوں میں افضل وصاحب فضیلت وہ ہے جو اپنے پروردگار کی اطاعت کرے، پیغمبرؐ کی سنت پر زیادہ سے زیادہ عمل پیرارہے اور کتاب خدا کی تلاوت وحفاظت کرے۔ ہمارے درمیان فضیلت کی کسوٹی خدااوراس کے رسولؐ کی اطاعت ہے۔ ہم اپنے درمیان کسی شخص کی فضیلت کے قائل نہیں ہیں سوائے اس شخص کے جو خدااور رسولؐ کی اطاعت میں بھی دوسروں سے افضل ہو۔ خدا کی مقدس کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان موجود ہے اور پیغمبرؐ کی سیرت سے بھی تم لوگ بخوبی واقف ہو۔''

اسکے بعد انہوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

''یاایھاالناس اناخلقنا کم من ذکروّانثیٰ وجعلنا کم شعوباًوقبائل لتعارفوا انّ اکرمکم عنداللہ اتقکم۔''

اس خطبے کے بعددوست ودشمن دونوں کو یہ یقین ہوگیا کہ علیؑ کا فیصلہ اٹل ہے۔ چنانچہ ہرشخص کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوگیا۔ جس نے وفادار رہنا چاہا وہ وفادار رہا۔ جوشخص اس قسم کے پروگرام وپلاننگ میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا وہ یا تو عبداللہ بن عمر کی طرح علیٰحدہ اور کنارہ کش ہوگیا یا طلحہ وزبیر ومروان کی طرح جنگ وخونریزی پرآمادہ ہوگیا۔[1]

[1] شرح ابن ابی الحدید۔ مطبوعہ بیروت جلددوم۔ ص 271-273 شرح خطبہ۔9۔

سورہے ہو یا بیدار؟

حبہ عرنی اورنوف بکالی، رات کے وقت کوفہ کے دارالامارہ کے صحن میں لیٹے تھے، آدھی رات کے بعد انہوں نے دیکھا کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ اسلام قصر سے صحن کیطرف آرہے ہیں، لیکن حالت غیر ہے: ایک فوق العادہ وحشت ان پر طاری ہے اتنی طاقت نہیں کہ جسم کے توازن کو برقرار رکھ سکیں، ہاتھوں کو دیوار پر رکھ کرخم ہوئے اور آہستہ آہستہ دیوار کے سہارے بڑھ رہے ہیں اور سورۂ آل عمران کی آخری آیات کی تلاوت فرمارہے ہیں۔

''اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔''

''اس میں توشک ہی نہیں کہ آسمانوں اورزمین کی پیدائش اوررات ودن کے پھیر بدل میں عقلمندوں کے لئے (قدرت خدا کی) (بہت سی) نشانیاں ہیں۔''

''اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔''

''جولوگ اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے (غرض ہرحال میں خدا) کا ذکر اورآسمانوں اور زمین کی بناوٹ میں غوروفکر کرتے ہیں اور (بےساختہ) کہہ اٹھتے ہیں کہ خداوندا تونے اس کو بیکار پیدانہیں کیا تو (فعل عبث سے) پاک ومنزہ ہے۔ پس ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

''رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔''

''اے ہمارے پالنے والے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا تو یقیناً اسے رسوا کر ڈالا اور ظلم کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں۔''

"رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ۔"

''اے ہمارے پالنے والے (جب) ہم نے ایک آواز لگانے والے (پیغمبرؐ) کو سنا کہ وہ ایمان کے واسطے یوں پکارتا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔ پس اے ہمارے پالنے والے ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں نیکوکاروں کے ساتھ (دنیا سے) اٹھائے۔''

"رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔"

''اور اے پالنے والے اپنے رسولوں کی معرفت جو کچھ ہم سے وعدہ کیا ہے ہمیں دے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر۔ تُو تو وعدہ خلافی کرتا ہی نہیں۔''

حبہ اور نوف دونوں اپنے بستروں پر لیٹے ہوئے اس عجیب منظر کو دیکھ رہے تھے؛ حبہ مبہوت ہو کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا لیکن نوف اپنی آنکھوں سے آنسوؤں کو نہیں روک سکا اور مستقل روتا رہا یہاں تک کہ علیؑ حبہ کی خواب گاہ کے قریب پہنچے اور کہا:

''سو رہے ہو یا بیدار ہو؟''

''جاگ رہا ہوں اے امیرالمومنینؑ، جب آپ کا خوف خدا میں یہ حال ہے تو وائے ہو ہم بے چاروں کے حال پر!''

حضرت علیؑ نے آنکھیں جھکائیں روئے اور فرمایا:

''اے حبہ! سب ایک دن خدا کے سامنے لائے جائیں گے اور ہمارا کوئی عمل

اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ ہماری اور تمہاری رگ گردن سے زیادہ قریب ہے، کوئی چیز ہمارے اور خدا کے درمیان حائل نہیں ہو سکتی۔''

پھر نوف کی طرف مخاطب ہوئے:

''سو رہے ہو؟''

''نہیں اے امیرالمومنینؑ بیدار ہوں اور دیر سے آنسو بہا رہا ہوں۔''

''اے نوف اگر آج خوفِ خدا سے زیادہ روئے تو کل روز قیامت تمہاری آنکھیں روشن ہونگی۔''

''اے نوف! آنسو کا ہر قطرہ جو خوف خدا میں نکلے وہ آگ کے سمندر کو بجھا دے گا۔''

''اے نوف! کسی شخص کی منزلت ومرتبہ اس سے بلند نہیں جو خوف خدا میں آنسو بہائے اور خدا کے لئے دوست رکھے۔''

''اے نوف! وہ شخص جو خدا کو دوست رکھتا ہے وہ جس چیز کو بھی دوست رکھے خدا کی خاطر دوست رکھے گا اور کسی چیز کو بھی خدا کی دوستی پر ترجیح نہیں دے گا۔ وہ شخص کسی شئے سے دشمنی رکھتا ہے تو خدا کی خاطر دشمنی رکھتا ہے اس کی اس دشمنی سے اس کو نیکی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ جب اس منزل پر پہنچ جاؤ گے تو گویا حقیقت ایمان کی منزلِ کمال کو حاصل کر لو گے۔''

اس کے بعد حبہ ونوف کو موعظ فرمایا اور آخری جملہ جو فرمایا یہ تھا:

''خدا سے ڈرو، میں نے الٰہی پیغام تم تک پہنچا دیا۔''

اس کے بعد اس مقام سے گذر گئے اور اپنے کام میں مشغول ہوگئے۔ مناجات اور راز و نیاز میں مصروف ہوگئے، فرماتے تھے خدایا: کاش میں جانتا ہوتا اس وقت جب میں تجھ سے غافل ہوتا ہوں تو میری طرف سے رخ موڑ لیتا ہے یا توجہ رکھتا ہے؟ اے کاش

میں جانتا ان نیند کی حالت کی طولانی گھڑیوں اور ان شکر گذاری کی کوتاہیوں میں میرا حال تیرے نزدیک کیا ہے؟

حبہ ونوف کہتے ہیں: خدا کی قسم اسی طریقہ سے راہ چلتے رہے اور آپ کا حال یہی تھا یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ [1]

[1] بحار الانوار جلد نمبر 9 چھاپ تبریز ص589 والکنی والالقاب، ذیل ''البکالی''

خون کا مہر

جنگ صفین عنقریب ختم ہونے والی تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ شام کی فوج آخری شکست سے دوچار ہونے والی ہے لیکن عمرو بن عاص کے فریب نے شکست کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر دی اور لڑائی رک گئی۔

جب اس کو یہ احساس ہوگیا کہ اس جنگ میں شکست حتمی ہے تو اس نے حکم دیا کہ قرآن نیزوں پر بلند کر دیے جائیں تاکہ لوگوں پر یہ ثابت کر دیا جائے کہ ہم اپنے اور تمہارے درمیان قرآن مجید کو حاکم تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ حضرت علیؑ کے سبھی صاحب بصیرت اصحاب یہ جانتے تھے کہ یہ فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے اس فریب کا مقصد یہ ہے کہ جنگ رک جائے اور لشکر شام کو شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ کیونکہ جنگ سے قبل متعدد بار حضرت علیؑ کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی تھی مگر ان لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن بعض جاہل اور ظاہر بین لوگوں نے، فوجی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے کمانڈر کے حکم کا انتظار کیے بغیر ہی جنگ روک دی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ لوگ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے یہ اصرار کرنے لگے کہ محاذ جنگ پر لڑائی روک دینے کے لئے آپ فوراً حکم صادر کر دیں۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ موجودہ صورتحال میں اگر کوئی جنگ جاری رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس نے قرآن سے جنگ کی ہے۔!

حضرت علیؑ نے کہا: ''تم لوگ اس چال سے دھوکہ مت کھاؤ۔ یہ فریب کے علاوہ کچھ نہیں ہے حکم قرآن یہ ہے کہ ہم لوگ جنگ جاری رکھیں۔ وہ لوگ قرآن کی پیروی کے لئے نہ پہلے آمادہ تھے اور نہ آج اس بات پر آمادہ ہیں کہ قرآنی احکام پر عمل کیا جائے۔ اب ہم لوگ عنقریب ایک نتیجے پر پہنچنے والے ہیں لہٰذا اپنے کو نابودی سے بچانے کے لئے ان

لوگوں نے اس فریب سے کام لیا ہے۔''

ان لوگوں نے جواب دیتے ہوئے کہا: ''یہ سب صحیح ہے لیکن اب تو وہ لوگ اس بات کا باقاعدہ اعلان کررہے ہیں کہ ہم قرآن مجید کو اپنے اور تمہارے درمیان حاکم قرار دینے کے لئے آمادہ ہیں۔ لہٰذا اب ہمارا ان لوگوں سے جنگ کرنا قطعی جائز نہیں ہے۔ اس اعلان کے بعد ان سے جنگ کا مطلب قرآن سے جنگ کرنا ہے۔ پس اگر تم نے جنگ بندی کا حکم فوراً نہ جاری کیا تو اسی جگہ ہم تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کرڈالیں گے۔''

اس کے بعد اپنے موقف پر ڈٹے رہنا بالکل بے سود تھا۔ سخت کشمکش کی حالت پیدا ہوچکی تھی۔ اگر حضرت علی علیہ السلام اس صورت حال کے باوجود اپنے موقف پر ڈٹے رہتے تو اس کا انجام اپنی شکست اور دشمن کی فتح کی صورت میں رونما ہوتا لہٰذا انہوں نے حکم دیا کہ فی الحال جنگی کارروائی روک دی جائے اور تمام سپاہی محاذ جنگ سے واپس آجائیں۔ عمرو بن العاص اور معاویہ کو اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگئے۔ چونکہ ان کا تیر ٹھیک نشانے پر لگا تھا اور اصحاب علیؑ کے درمیان نفاق واختلاف پیدا ہوگیا اس وجہ سے وہ لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ لیکن معاویہ عمرو بن العاص اور کسی دوسرے ماہر و دوررس سیاسی لیڈر کو اس بات کا اندازہ نہ ہوسکا تھا کہ یہ معمولی سا واقعہ ایک نئے مسلک کی تشکیل کا سبب بن جائے گا اور اس کی بنیاد پر اسلامی مسائل کے سلسلے میں ایک نئے فرقے کی تشکیل عمل میں آجائے گی اور دینی امور میں ایک ایسے خطرناک طرز فکر کی بنیاد پڑ جائے گی جو بعد میں خود معاویہ اور اس کے جیسے دیگر خلفاء کے لئے انتہائی پریشان کن ثابت ہوگئی۔

بہرحال ایسے مسلک اور طرز فکر کا وجود عمل میں آگیا اور ایک نئے فرقے کی تشکیل ہوگئی۔ لشکر علی کے باغیوں نے جو بعد میں ''خوارج'' کے نام سے مشہور ہوئے اس روز خود سری اور استبداد کے ذریعہ جنگ بندی میں کامیابی حاصل کرلی اور بظاہر حاکمیت قرآن کے

سامنے ہتھیار ڈال دیئے یہ طے ہوا کہ دونوں طرف والے اپنا نمائندوں معین کریں اور یہ دونوں نمائندے قرآنی احکام کے مطابق کوئی ایسا فیصلہ کریں جو دونوں کے لئے قابل قبول ہو۔ معاویہ نے عمرو بن العاص کو اپنا نمائندہ منتخب کردیا۔ حضرت علیؑ نے عمرو بن العاص کے مقابلے میں عباس بن عبداللہ کو اپنا نمائندہ بنانا چاہا۔ اس موقع پر بھی خوارج نے مداخلت کی اور یہ بہانہ کیا کہ انصاف کرنے والا شخص بالکل غیر جانبدار رہنا چاہیے اور عبداللہ بن عباس علیؑ کے رشتہ دار ہیں اس لئے انہیں علیؑ کا نمائندہ نہیں مقرر کیا جاسکتا۔

اس کے بعد ان لوگوں نے خود ہی ایک نالائق آدمی کو اس کام کے لئے نامزد کردیا۔ عمرو بن العاص نے ایک دوسرے فریب کا جال پہلے ہی پھیلا رکھا تھا۔ چنانچہ مکمل باہمی موافقت کے بغیر ہی فیصلہ کرنے والی میٹنگ ختم ہوگئی اور کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ فیصلہ کرنے والی اس میٹنگ نے ایسی مضحکہ خیز صورت اختیار کرلی کہ اس کی تشکیل کا بنیادی مقصد ہی ختم ہوگیا اور معاشرہ پر اس کا کوئی خاص اثر نہ پڑا ان لوگوں کو صرف اتنا فائدہ ہوا کہ فوری طور پر جنگ بند ہوگئی اور علیؑ کے ساتھیوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اس کے علاوہ ان لوگوں کو اپنی فوجی طاقت کو بڑھانے اور دوسرے کاموں کا موقع مل گیا۔

دوسری طرف جب خوارج کو اس حقیقت کا اندازہ ہوگیا کہ قرآن کو نیزے پر بلند کرنا اور قرآن کو حکم قرار دیئے جانے کی تجویز پیش کرنا محض ایک فریب تھا اور ان لوگوں نے بخوبی سمجھ لیا کہ انہوں نے غلطی کی ہے۔ لہٰذا اپنی غلطی کے ازالہ کے لئے ان لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا تاکہ درحقیقت کسی انسان کو حکومت یا فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ حکومت تو بس خداوند عالم کا حق ہے اور خدا کی کتاب سے بہتر کوئی اور نہیں ہے۔ وہ لوگ اپنی گذشتہ غلطی کی تلافی کرنا چاہتے تھے لیکن اس سلسلے میں انہوں نے ایسی راہ کا انتخاب کیا کہ اس سے زیادہ بری اور خطرناک غلطی سے دوچار ہوگئے۔ ان کی پہلی غلطی محض ایک سیاسی اور فوجی غلطی تھی۔ بڑی سے بڑی فوجی غلطی مخصوص اور محدود مکان و زمان سے مربوط ہوا کرتی ہے

اور اس کی تلافی بھی ممکن ہوتی ہے۔لیکن ان کی دوسری غلطی کی نوعیت فکری تھی جس کی وجہ سے اسلام کے سماجی مسائل میں ایک ایسے غلط فلسفے کی شروعات ہوئی جس کی وجہ سے اسلام کی بنیاد کے لئے زبردست خطرہ پیدا ہو گیا۔ان کی یہ غلطی یقیناً ناقابل تلافی تھی۔

اپنی اس مخصوص طرز فکر کی بنیاد پر خوارج نے ایک نعرہ بلند کیا کہ ’’لَا حُكْمَ اِلَّا لِلّٰه۔‘‘ یعنی خداوند عالم کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے تھے کہ یہ بات درست ہے لیکن ایک نادرست اور ناجائز مقصد کے لئے استعمال کی جا رہی ہے حکم یعنی فیصلہ اور قانون۔اس میں کوئی شک نہیں کہ قانون سازی خداوند عالم کا حق ہے یا اس آدمی کا حق ہے جسے خداوند عالم نے قانون سازی کی اجازت دی ہو لیکن اس جملے سے خوارج کا مقصد یہ ہے کہ حکومت صرف خداوند عالم کے لئے مخصوص ہے حالانکہ انسانی سماج کو ہر اعتبار سے اور ہمہ وقت ایک ایسے مدبر و سرپرست کی ضرورت ہے جو الٰہی قانون کا اجراء کرا سکے۔‘‘[1]

بعد میں خوارج اپنے اعتقاد و عقائد میں قدرے تبدیلی پیدا کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔خوارج کا یہ نظریہ تھا کہ غیر خدا کی حاکمیت گناہ ہوتی ہے اور اپنے اس نظریہ کی وجہ سے ان لوگوں نے گناہ کیا تھا اس کے لئے توبہ کر لی اور چونکہ حضرت علی علیہ السلام نے آخرکار حاکمیت قرآن کی تجویز تسلیم کر لی تھی۔لہٰذا ان لوگوں نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ تم بھی توبہ کرو۔انہوں نے ارشاد فرمایا کہ جنگ بند کرنا اور حکم کی تجویز کو قبول کرنا بہرحال ایک غلطی تھی لیکن اس غلطی کی پوری ذمہ داری تم لوگوں پر ہے میرے اوپر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے لیکن ثالث کی طرف رجوع کرنا ہرصورت میں غلط اور ناجائز ہے اسے میں ہرگز قبول نہیں کرتا۔

بہرصورت خوارج اپنے مخصوص عقائد کی پیروی کرنے لگے اور حضرت علی علیہ

[1] نہج البلاغہ خطبہ۔ کلمۃ حق یراد بہا الباطل نعم انہ لاحکم الا اللہ

السلام کو اس وجہ سے برا بھلا کہنے لگے کہ وہ حاکمیت کو جائز قرار دیتے ہیں۔دھیرے دھیرے ان لوگوں نے اپنے عقائد میں شاخیں اور پتیاں بھی پیدا کر لیں اور ایک ایسے مذہبی فرقے کی شکل اختیار کر لی جس کا بیشتر مسائل میں اکثر مسلمانوں سے زبردست اختلاف تھا۔ان کے مسلک کی سب سے بڑی خصوصیت شدت پسندی اور سطحی ذہنیت تھی۔امر بالمعروف کے سلسلے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ اس سلسلے میں کوئی شرط یا پابندی نہیں ہے بلکہ نڈر اور لاپرواہ ہو کر جدوجہد کی جانی چاہیے۔

جب تک خوارج صرف اپنے عقائد کے اظہار پر قناعت کیے رہے حضرت علیؑ نے ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔یہاں تک کہ ان لوگوں کے ذریعہ اپنی برائی پر بھی کوئی توجہ نہیں دی اور بیت المال سے ان کے حقوق برابر ادا کرتے رہے اور ان لوگوں کو اپنے عقائد کے اظہار اور بحث و مباحثہ کی اجازت دیتے رہے۔لیکن جب انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نام پر باغیانہ حرکتیں جاری کر دیں تو حضرت علیؑ نے ان کی سرکوبی کا حکم صادر کر دیا۔نہروان میں حضرت علیؑ اور خوارج کے درمیان جنگ ہوئی اور اس جنگ میں خوارج کو زبردست شکست ہوئی۔مسلمان اور صاحب اعتقاد ہونے کی وجہ سے خوارج سے جنگ کرنا انتہائی مشکل کام تھا۔وہ ایسے لوگ تھے جو دوست اور دشمن کا اعتراف کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہ لیتے تھے۔

ان کے لہجے میں عجیب قسم کی صراحت تھی، وہ عبادت گذار تھے اور ان میں سے اکثر افراد کی پیشانی پر سجدہ کا نشان نمایاں تھا۔وہ لوگ تلاوت کلام پاک اور دیگر عبادتی کاموں میں ساری ساری رات بیدار رہا کرتے تھے لیکن بہت جاہل اور کم ذہن لوگ تھے۔اسلام کو ایک خشک، جامد اور بے روح مذہب سمجھتے تھے اور اسی انداز میں وہ اس دین کی تبلیغ بھی کرتے تھے۔ان لوگوں سے جنگ کرنے اور ان کا خون بہانے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔اگر حضرت علیؑ جیسی عظیم الشان شخصیت درمیان

میں نہ ہوتی تو لشکر اسلام کا کوئی سپاہی ان لوگوں سے جنگ کے لیے ہرگز آمادہ نہ ہوتا۔

حضرت علیؑ نے خوارج سے جنگ کے سلسلے میں افتخار آمیز انداز میں ارشاد فرمایا ہے۔ ''یہ میں تھا جس نے کاسۂ سر سے فتنہ کی آنکھ نکال لی۔ میرے علاوہ کسی دوسرے شخص میں اتنی ہمت نہ تھی۔''[1] درحقیقت بات کچھ ایسی ہی تھی۔ یہ صرف حضرت علیؑ کی ذات تھی جس نے ان کی ظاہری مذہبی آرائش اور تقدس مآبی کو کوئی اہمیت نہیں دی اور ہر طرح کی زاہدانہ روش کے باوجود انہیں سلام کا خطرناک دشمن سمجھا۔ حضرت علیؑ جانتے تھے کہ اگر اس طرز فکر اور فلسفے نے، جو عوام میں فطری طور پر مقبول ہوتا جارہا ہے، عالم اسلام میں اپنی جڑیں مضبوط کرلیں تو عالم اسلام پر ایسا جمود طاری ہوجائے گا کہ اسلام کا یہ درخت جڑ سے سوکھ جائے گا۔

حضرت علیؑ کی نظر میں خوارج سے جنگ کا مطلب چند ہزار افراد سے جنگ کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی یہ جنگ اس فکری جمود اور جاہلانہ استدلال کے خلاف تھی جو اسلامی مسائل میں ایک غلط اور بے بنیاد فلسفے کا نتیجہ تھی۔ حضرت علیؑ کے علاوہ کس کی ہمت تھی جو ایسے محاذ پر قدم رکھ سکے۔ جنگ نہروان میں خوارج کو زبردست نقصانات سے دوچار ہونا پڑا اور ان میں اتنی طاقت باقی نہ رہ گئی کہ امید کے مطابق وہ عالم اسلام میں اپنی کوئی جگہ بنا سکیں۔ خوارج کے خلاف علیؑ کی یہ جنگ بہترین سند بن گئی کہ بعد کے خلفاء نے ان لوگوں سے جو جہاد کیا تھا اسے جائز اور لازمی قرار دیا جاسکے۔ بہرحال اس جنگ کے بعد جو خوارج باقی رہ گئے تھے انہوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

اس فرقے کے تین افراد مکہ میں جمع ہوئے اور اپنے خیال میں عالمِ اسلام کے حالات کا تجزیہ کرنے لگے اور یہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ عالم اسلام کی جملہ پریشانی اور

[1] انافقأت عین الفتنة ولم یکن لیجترأ علیها غیری بعدان ماج غیبها واشتد کلبها۔ نہج البلاغہ خطبہ 91

بدبختی کا سبب علیؑ، معاویہ اور عمرو بن العاص کا وجود ہے۔ یہی تین آدمی ایسے ہیں جنہوں نے دنیائے اسلام کو گوناگوں مسائل میں مبتلا کر رکھا ہے۔

علیؑ وہ آدمی تھے جن کی فوج میں پہلے یہ لوگ سپاہی تھے۔ معاویہ اور عمرو بن العاص وہ تھے جن کا سیاسی مکروفریب اور فوجی دھوکہ اس خطرناک فرقے کی تشکیل کا سبب قرار پایا تھا۔ بہرحال سرزمین مکہ پر جمع ہونے والے ان تین افراد عبدالرحمٰن بن ملجم، برک عبداللہ اور عمر بن بکر تمیمی نے خانہ کعبہ میں یہ عہد کیا اور قسم کھائی کہ ان تین آدمیوں کو، جو مسلمانوں کے لیڈر ہیں رمضان المبارک کی انیسویں (یا سترھویں) شب میں قتل کرڈالیں گے۔ علیؑ کے قتل کے لئے عبدالرحمٰن ابن ملجم کو معاویہ کے لئے، برک بن عبداللہ، اور عمرو بن العاص کے لئے عمرو بن بکر تمیمی کو نامزد کیا گیا۔ غرض اس ارادہ اور آخری فیصلے کے ساتھ یہ تینوں افراد ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہوگئے اور یہ لوگ اپنے اپنے مقصد کی طرف روانہ ہوگئے۔ عبدالرحمٰن بن ملجم مرکز خلافت یعنی کوفہ کی جانب روانہ ہوگیا۔

برک نے اموی حکومت کے مرکز یعنی شام کا راستہ پکڑ لیا اور عمرو بن بکر مصر کی طرف چل پڑا کیونکہ عمرو بن العاص اس وقت مصر کا گورنر تھا۔ ان میں سے دو آدمی یعنی برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر کوئی اہم کام انجام نہ دے سکے۔ کیونکہ برک نے جسے معاویہ کے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، معینہ شب میں معاویہ کے پٹھے پر ایک ضربت لگائی۔ معاویہ کا یہ زخم علاج سے ٹھیک ہوگیا۔ عمرو بن بکر جس نے عمرو بن العاص کے قتل کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ وہ ذاتی طور پر عمر عاص کو نہیں پہچانتا تھا۔ نیز اتفاق کی بات تھی۔ معینہ شب میں اپنی بیماری کی وجہ سے عمرو بن العاص نے خارجہ بن حذافہ کو اپنا نمائندہ بنا کر مسجد بھیج دیا تھا۔ عمرو بن بکر نے یہ سمجھا کہ عمرو بن العاص یہی ہے۔ لہٰذا ایک ہی وار میں اس نے اسے قتل کرڈالا۔

اسے بعد میں پتہ چلا کہ مقتول عمرو بن العاص نہیں ہے۔ مختصر یہ کہ ان تینوں آدمیوں میں صرف عبدالرحمٰن بن ملجم ہی اپنے فاسد مقصد میں کامیاب ہوا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم

شہر کوفہ میں داخل ہوا اور کسی سے اپنے ارادہ کا اظہار نہ کیا۔ وہ اپنے فیصلے کے بارے میں بار بار غور و فکر کرتا رہا۔ اپنے فیصلے پر مسلسل نظر ثانی کے بعد اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ کیونکہ علیؑ کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ بڑا سے بڑا شقی اور سنگدل آدمی بھی ان کے قتل کے لئے بہ آسانی آمادہ ہو جائے لیکن جن اتفاقات کی وجہ سے مصر اور شام میں عمرو بن العاص اور معاویہ کو نجات حاصل ہوئی تھی، عراق میں ایک دوسرا اتفاق رونما ہوا اور اس اتفاق نے ابن ملجم کو اپنے فیصلے پر اٹل بنا دیا۔

اگر یہ اتفاق نہ رونما ہوا ہوتا تو ابن ملجم اپنا ارادہ پوری طرح ملتوی کر چکا تھا لیکن درمیان میں ایک عورت کا عشق آ گیا۔ شہر کوفہ میں قیام کے دوران ایک دن عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے ایک ہم مسلک سے ملنے کے لئے اس کے گھر گیا۔ وہاں ایک لڑکی سے اس کی ملاقات ہوئی جس کا نام قطام تھا اور جس کا خارجی باپ جنگ نہروان میں قتل ہو گیا تھا۔ قطام انتہائی خوبصورت اور دلکش لڑکی تھی لہٰذا ابن ملجم پہلی ہی نظر میں اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا۔ قطام کو دیکھنے کے بعد مکہ میں اس نے جو عہد کیا تھا اسے بھول گیا اور قطام کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا اور تمام گزری ہوئی باتوں کو فراموش کر دینا چاہا۔ چنانچہ ایک دن ابن ملجم نے قطام کے سامنے شادی کی تجویز پیش کر دی۔ قطام نے اس کی تجویز قبول کر لی۔ لیکن اپنے مہر کا تعین کرتے وقت قطام نے دوسری چیزوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک ایسی چیز کا نام لیا جس کو سن کر ابن ملجم کے ہوش اڑ گئے اور اس کے چہرے پر دھواں سا چھا گیا۔ قطام نے کہا: ''میرے مہر کی فہرست یہ ہے۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک

کنیز اور خون علیؑ بن ابی طالب[1] ''ابن ملجم نے اپنی معشوقہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''روپیہ، غلام اور کنیز میں ابھی تمہاری خدمت میں حاضر کیے دیتا ہوں، لیکن علیؑ کا قتل کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کیا ہم لوگ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے؟ علیؑ کو قتل کرنے کے بعد میں اپنی جان کیسے بچا سکتا ہوں؟ قطام نے کہا۔ ''میرا مہر یہی ہے جو میں نے تم سے بیان کر دیا علی کو میدان جنگ میں قتل نہیں کیا جا سکتا لیکن محراب عبادت میں یہ کام ممکن ہے اگر قتل علیؑ کے بعد تمہاری جان سلامت رہ گئی تو ہم لوگ پوری زندگی سکون کے ساتھ بسر کریں گے اور اگر اس سلسلے میں تم بھی قتل ہو گئے تو پروردگار سے تمہیں بہت بڑا اجر ملے گا۔ میں اس کام کے لئے کچھ لوگوں کو تمہارے ساتھ کر سکتی ہوں تا کہ تم تنہا نہ رہو۔''

ابن ملجم قطام کے عشق میں بری طرح گرفتار تھا۔ اس سرکش عشق نے اسے کینہ پروری اور انتقام گیری کی پرانی روش اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ اس نے پہلی بار اپنا راز ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ''درحقیقت میں علیؑ بن ابی طالب کو قتل کرنے کے لئے ہی کوفہ آیا ہوں۔ قطام ابن ملجم کی اس بات سے بہت خوش ہوئی اور اس نے وردان نامی ایک شخص کو ابن ملجم کا ساتھ دینے کے لئے آمادہ کر لیا۔ خود ابن ملجم نے ایک دن اپنے ایک ہم خیال اور معتمد دوست شبیب بن بجرۃ سے ملاقات کی اور اس سے کہا:

''کیا تو ایک کام میں شرکت کے لئے آمادہ ہے جس کی وجہ سے تجھے دنیا و آخرت دونوں جگہ شرف حاصل ہو سکے؟''

[1] یہ بات انتہائی حیرت انگیز تھی کہ ایک عورت اپنے مہر میں خون علیؑ کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ یہ اس دور کے شاعروں کیلئے ایک موضوع بن گیا۔ اس سلسلے میں ایک شاعر نے اپنے کلام میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

ولم ارمهرا ساقه ذو سماحة — كمهر قطام من فصيح واعجم
ثلثة آلاف وعبد وقينةً — وقتل علی علیہ السلام بالحسام المصمم
ولا مهر أغلى من علی علیہ السلام وان علا — ولافتكنا الادون فتك ابن ملجم

''آخر وہ کون سا کام ہے؟''

''قتل علیؑ بن ابی طالب۔''

''خدا تجھے موت دے تو یہ کیا کہہ رہا ہے قتل علیؑ بن ابی طالب؟ وہ علیؑ جس نے راہ اسلام میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں؟''

بہرحال عبدالرحمٰن ابن ملجم ملعون نے ایک نہایت چال بازی اور مکر وفریب سے شبیب بن بجیرہ اشجعی کو اپنا معاون اور اشعث بن قیس کو اپنا ہمراز بنالیا اس طرح سے وہ ان دونوں کو اس جرم میں شامل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور ان لوگوں نے کافی سوچ بچار کے بعد اپنی شیطانی چالوں سے اپنی گھناؤنی سوچ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے امیرالمومنین علیہ السلام پر حملہ کے دن اور وقت کا انتظار کرنے لگا کہ ''علی بن ابی طالب پر کیسے غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟''

''بہت آسان ہے۔ مسجد میں ہم لوگ گھات لگا کر بیٹھ جائیں۔ جیسے ہی صبح کی نماز کے لئے وہ مسجد میں داخل ہوں ہم لوگ اپنے کپڑے کے اندر پوشیدہ تلواروں سے ان پر حملہ کرکے ان کا کام تمام کردیں۔''

عبدالرحمٰن ابن ملجم اپنے دوست شبیب کو بڑی دیر تک سمجھاتا رہا۔ آخر کار وہ اس کام کے لئے راضی ہوگیا۔ ابن ملجم اسے اپنے ہمراہ قطام کے پاس مسجد کوفہ لے گیا۔ قطام ان دنوں مسجد کوفہ میں اعتکاف کے عالم میں تھی۔ قطام سے اپنے دوست شبیب کا تعارف کرایا۔ قطام کہنے لگی۔ ''بہت خوب، وردان بھی تم لوگوں کے ساتھ ہے۔ جس رات تم لوگ آخری فیصلہ کرنا پہلے میرے پاس ضرور آجانا۔

عبدالرحمٰن نے خانۂ کعبہ میں اپنے ساتھیوں کے سامنے رمضان المبارک کی انیسویں (یا سترھویں) شب تک انتظار کیا۔ معینہ شب میں وہ شبیب کے ساتھ قطام کے پاس گیا۔ قطام نے ان لوگوں کے سینے پر حریر کی پٹی باندھی۔ تھوڑی دیر میں وردان بھی

آ گیا اور تینوں آدمی اس دروازہ کے قریب بیٹھ گئے جس سے معمولاً حضرت علیؑ مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ وہ عبادت اور پاکیزگی نفس کی رات تھی لہٰذا دوسرے لوگوں کی طرح یہ لوگ بھی نماز اور دیگر عبادتی امور میں مصروف ہوگئے۔ ان تینوں آدمیوں کے دل میں طوفان امنڈ رہا تھا کہ کہیں لوگوں کو ان پر شک نہ ہوجائے لہٰذا یہ لوگ قیام وقعود اور رکوع وسجدہ میں پوری طرح لگے رہے۔ مگر ان لوگوں کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں نہ ہوئے۔ مسجد میں موجود دوسرے لوگوں کو بڑا تعجب تھا کہ آخر یہ لوگ تھکتے کیوں نہیں۔

دوسری طرف حضرت علی علیہ السلام نے اس رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے لئے مخصوص پروگرام مرتب کر رکھا تھا۔ ہر شب وہ اپنے کسی لڑکے یا لڑکی کے یہاں افطار کیا کرتے تھے۔ کسی شب میں وہ تین لقمہ سے زیادہ نہیں کھاتے تھے۔ لڑکے اصرار کیا کرتے تھے کہ کچھ زیادہ کھالیں۔ وہ جواب میں صرف اتنا کہتے تھے۔ ''میں چاہتا ہوں کہ جب اپنے پروردگار سے ملاقات کے لئے جاؤں تو میرا پیٹ خالی رہے۔''

وہ اکثر یہ کہا کرتے تھے۔ پیغمبرؐ اسلام نے مجھ سے جو علامتیں بیان کی ہیں اس کے مطابق میری سفید داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہونے والی ہے۔ اس رات علیؑ اپنی لڑکی جناب ام کلثوم کے مہمان تھے۔ دوسری راتوں کے مقابلے میں آج ان کے چہرے پر ہیجان اور انتظار کے آثار نمایاں تھے۔ جیسے ہی گھر کے دوسرے لوگ بستر کی طرف روانہ ہوئے انہوں نے اپنا مصلیٰ بچھایا اور عبادت میں مصروف ہوگئے۔ صبح نمودار ہونے والی تھی کہ حضرت حسنؑ اپنے والد کے پاس آئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ''میرے فرزند عزیز! آج رات میں بالکل نہیں سویا اور گھر والوں کو بھی بیدار رکھا کیونکہ یہ شب جمعہ شب بدر (شب قدر) کے برابر ہے۔ لیکن بیٹھے بیٹھے تھوڑی دیر کے لئے میری آنکھ لگ گئی تھی۔ میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ پیغمبرؐ اسلام تشریف لائے ہیں۔ میں نے ان سے کہا:

''یارسول اللہ! آپ کی امت نے مجھے تکلیف دی۔''

پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: ''جن لوگوں نے تمہیں اذیت دی ہے ان پر لعنت کرو۔''

میں نے ان لوگوں پر اس انداز میں لعنت کی کہ: ''اے پروردگار! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے جلد سے جلد اٹھالے اور ان لوگوں کے مزاج کے مطابق ان کے درمیان کسی ایسے شخص کو بھیج دے جو ان کے ساتھ میرا جیسا سلوک نہ کرے۔ اسی اثنا میں مسجد کے مؤذن آئے اور خبر دی کہ نماز کا وقت قریب آ گیا ہے۔ علیؑ فوراً ہی مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔ علیؑ کے گھر میں بچوں نے کچھ مرغابیاں پال رکھی تھیں۔ جیسے ہی علیؑ نے گھر سے باہر قدم رکھنا چاہا ان مرغابیوں نے زور زور سے بولنا شروع کردیا۔ اہل خانہ میں سے کسی نے ان مرغابیوں کو خاموش کرنا چاہا تو حضرت علیؑ نے اس سے کہا: ''ان سے کچھ مت کہو یہ ان کے نالہ وشیون کی آواز اور عزا کا انداز ہے۔'' دوسری طرف عبدالرحمٰن ابن ملجم اور اس کے ساتھی بڑی بے قراری سے علیؑ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ قطام اور اشعث بن قیس کے علاوہ ان لوگوں کے راز سے کوئی واقف نہ تھا۔ اشعث بن قیس ایک پست فطرت آدمی تھا۔ اسے علیؑ کی روش عدالت قطعی پسند نہ تھی اور وہ معاویہ سے خفیہ رابطہ قائم کئے ہوئے تھا۔

اسی درمیان ایک ایسا حادثہ ہوا جس کی وجہ سے ان لوگوں کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ ایسا نہ ہوسکا۔ اشعث ابن ملجم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ ''موسم صاف ہوتا جارہا ہے اگر صبح کی روشنی پھیل گئی تو سوائے تیری ذلت ورسوائی کے اور کچھ نہ حاصل ہوگا لہٰذا اپنے کام میں جلدی کرتاخیر مناسب نہیں ہے۔''

حضرت علیؑ کے مخلص ساتھی حجر ابن عدی اشعث اور ابن ملجم کی اس رازدارانہ گفتگو کو سن رہے تھے۔ وہ فوراً سمجھ گئے کہ ان لوگوں نے کوئی شرمناک منصوبہ بنا رکھا ہے۔ حجر ابن عدی ابھی سفر سے واپس آئے تھے۔ ان کا گھوڑا مسجد کے دروازے پر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ حضرت علیؑ نے انہیں کسی کام سے باہر بھیجا تھا اور واپسی کے بعد وہ

امیر المومنین کی خدمت میں اپنے سفر کی رپورٹ پیش کرنا چاہتے تھے۔ حجر ابن عدی نے اشعث کی بات سنی اور اسے برا بھلا کہتے ہوئے فوراً مسجد سے باہر نکل آئے تاکہ حضرت علیؑ کو اس بات سے آگاہ کردیں اور کوئی ناخوشگوار حادثہ نہ ہونے پائے۔ لیکن جیسے ہی حجر بن عدی حضرت علیؑ کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ علیؑ دوسرے راستے سے مسجد پہنچ گئے۔ اس سے قبل متعدد بار علیؑ کے گھر والوں اور دوستوں نے ان سے کہا تھا کہ اگر آپ اجازت دے دیں تو آپ کے ساتھ ایک حفاظتی دستے کا انتظام کردیا جائے، لیکن امامؑ نے ان لوگوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ ہمیشہ تنہا آیا جایا کرتے تھے۔ اس رات بھی ان کی خدمت میں دوبارہ درخواست پیش کی گئی۔ لیکن انہوں نے پہلے کی طرح پھر اس درخواست کو نامنظور کردیا۔

علیؑ مسجد میں داخل ہوئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ''ایھا الناس نماز! نماز! تھوڑی دیر کے بعد اس تاریکی میں بجلی کی طرح دو تلواریں چمکیں اور اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ یَاعَلِی لَا لَکَ کی آواز سے مسجد میں موجود تمام لوگ کانپ اٹھے۔ پہلی تلوار شبیب نے ماری تھی مگر وہ دیوار سے ٹکرا گئی اور وہ کارگر نہ ہوسکی اور دوسری تلوار عبدالرحمٰن ابن ملجم نے چلائی تھی جو حضرت علیؑ کے سر میں داخل ہوگئی۔ ادھر حجر بن عدی فوراً ہی مسجد کی طرف پلٹے لیکن وہ اس وقت پہنچے جب لوگوں کی زبان پر یہ درد آمیز کلمات جاری تھے۔

''امیر المومنینؑ شہید ہوگئے، امیر المومنینؑ شہید ہوگئے۔''

ضربت کھانے کے بعد بلا فاصلہ حضرت علیؑ کی زبان سے جو کلمات جاری ہوئے وہ یہ تھے:

وہ پروردگار کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا''[1] پھر آپ نے کہا: ''یہ آدمی بھاگنے

[1] فزت ورب الکعبه

نہ پائے‘‘[1] ابن ملجم، شبیب اور وردان تینوں مسجد سے نکل بھاگے۔ چونکہ وردان سامنے نہیں آیا تھا اس لئے لوگ اسے پہچان نہ سکے۔ شبیب بھاگا جا رہا تھا کہ درمیان میں حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے ایک نے اسے گرفتار کرلیا۔ انہوں نے شبیب کی تلوار چھین لی اور اس کے سینے پر سوار ہوکر اس کا سر قلم کردینا چاہتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ لوگ گروہ در گروہ بھاگتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ وہ ڈر گئے کہ انجانے میں کہیں لوگ شبیب کے بجائے انہیں نہ قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ ڈر کے مارے وہ شبیب کے سینے سے اتر آئے اور وہ پھر بھاگ کھڑا ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں داخل ہوگیا۔ شبیب کا چچازاد بھائی اس سے ملنے کی غرض سے گھر آیا۔ جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوا کہ علیؑ کے قتل میں شبیب بھی شریک تھا اس نے تلوار اٹھائی اور شبیب کو اسی وقت قتل کر ڈالا۔ تھوڑی دیر بعد لوگوں نے ابن ملجم کو گرفتار کرلیا۔ پہلے اس کے ہاتھ باندھے پھر اسے مسجد کوفہ کی طرف لے آئے۔ سارے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ چکی تھی اور لوگ اسے اپنے دانتوں سے کچا چبا جانا چاہتے تھے۔ حضرت علیؑ نے لوگوں سے کہا: ’’عبدالرحمٰن ابن ملجم کو میرے پاس لے آؤ۔‘‘

لوگ ابن ملجم کو حضرت علیؑ کے پاس لے آئے۔ آپ نے اس سے پوچھا:

’’کیا میں نے تیرے ساتھ نیکیاں نہیں کیں؟‘‘

’’کیوں نہیں۔‘‘

’’پس تو نے میرے اوپر یہ قاتلانہ حملہ کیوں کیا؟‘‘

’’بہرحال، پچھلے چالیس دنوں سے میں اس تلوار کو برابر زہر کے پانی میں بجھایا کرتا تھا اور خداوند عالم سے یہ دعا مانگتا تھا کہ زہر میں بجھی ہوئی اس تلوار سے دنیا کے سب سے زیادہ خراب آدمی کے قتل کی توفیق عطا کردے۔‘‘

’’بارگاہ خداوندی میں تیری یہ دعا مقبول ہے کیونکہ عنقریب اپنی اس تلوار سے

---

[1] لا یفوتنّکم الرّجل

تو خود ہی قتل کر ڈالا جائے گا۔‘‘ اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنے بستر کے اردگرد جمع اعزا و اقارب کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا!

’’اے فرزندان عبدالمطلب! دیکھو! تم لوگ کسی کے پیچھے نہ پڑنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم لوگ میرے قتل کے بہانے لوگوں کو اس جرم میں شریک سمجھتے ہوئے ان پر الزام لگانے لگو اور عوام میں خونریزی کا بازار گرم کردو۔ اس کے بعد آپ نے اپنے فرزند حسنؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ’’بیٹا! اگر میں زندہ رہ گیا تو مجھے معلوم ہے کہ اس شخص کے ساتھ کیا کیا جانا چاہیے۔ لیکن اگر میں مرجاؤں تو اس شخص کو ایک سے زیادہ ضربت نہ لگانا کیوں کہ اس نے میرے اوپر ایک ہی ضربت لگائی ہے۔ اس کا مثلہ ہرگز نہ کرنا، اس کی ناک کان اور زبان قطعی نہ کاٹنا کیونکہ پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

’’مثلہ سے تم لوگ پرہیز کرو چاہے وہ پاگل کتا ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

پس تم اپنے قیدی کی فکر کرو اور دیکھو اس کے کھانے پینے کا خاص خیال رکھنا اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔ امام حسنؑ کے حکم کے مطابق اس دور کے ماہر طبیب اثیر بن عمرو کو بلایا گیا۔ اس نے زخم کا باقاعدہ معائنہ کیا اور کہنے لگا۔ ’’جس تلوار سے حملہ ہوا ہے وہ زہر میں بجھی ہوئی تھی لہٰذا زہر دماغ کے اندر پھیل چکا ہے۔ پس اس کا علاج ناممکن ہے۔‘‘ بہرحال ضربت لگنے کے بعد حضرت علیؑ 48 گھنٹوں تک زندہ رہے۔ اس وقفے کے دوران حضرت علیؑ مسلسل پند و نصیحت اور رشد و ہدایت میں لگے رہے۔ شہادت سے قبل آپ نے مندرجہ ذیل 20 نکاتی وصیت لکھوائی۔

’’بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ علیؑ بن ابی طالب ان باتوں کی وصیت کرتا ہے۔ علیؑ خداوند عالم کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے اور اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ محمدؐ خدا کے پیغمبرؐ ہیں۔ خداوند عالم نے انہیں دنیا میں بھیجا تا کہ وہ اپنے دین کو تمام دیگر ادیان و مذاہب پر غالب بنادے۔ بے شک میری نماز و عبادت اور حیات و موت خدا کی طرف

سے اور خدا کے لئے ہے۔ وہ خدا جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ یہی میرا عقیدہ و ایمان ہے اور میں بارگاہ خداوندی میں تسلیم شدہ لوگوں میں سے ہوں۔

بیٹا حسن! میں تمہیں اپنے سبھی لڑکوں اور گھر والوں کو مندرجہ ذیل امور کی وصیت کرتا ہوں:

1۔تم لوگ تقویٰ اور خوف الٰہی سے کبھی غافل نہ ہونا اور تادم مرگ خدا کے دین پر ثابت قدم رہنے کی کوشش کرنا۔

2۔تم سب لوگ خدا کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہنا، ایمان و معرفت الٰہی کی بنیاد پر آپس میں متحد و متفق رہنا اور فرقہ سے دور رہنا۔ پیغمبرؐ اسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح و آشتی اور اتحاد و اتفاق نماز اور ہمیشہ روزہ رکھنے سے زیادہ افضل ہے اور جو چیز دین کو محو اور نابود کر دیتی ہے وہ فساد اور اختلاف ہے۔

3۔اپنے ارحام اور قرابت داروں سے غفلت نہ کرنا بلکہ ان کے ساتھ صلۂ رحم کرتے رہنا کیونکہ صلۂ رحم خداوند عالم کے سامنے انسان کے حساب کو آسان بنا دیتا ہے۔

4۔خداوند عالم کی پناہ! خدا کی پناہ! یتیموں سے ہرگز غفلت نہ اختیار کرنا۔خبردار کوئی یتیم بھوکا اور بے سرپرست نہ رہ جائے۔

5۔خدارا! خدارا! پڑوسیوں کا پورا پورا خیال رکھنا۔ پیغمبرؐ اسلام نے پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں ایسی باتیں بیان کی ہیں اور اتنی تاکید فرمائی ہے کہ ہم لوگوں کو یہ گمان ہونے لگا تھا کہ وہ پڑوسیوں کو میراث میں شریک بنا دینا چاہتے ہیں۔

6۔خدارا! خدارا! دیکھو نماز کے سلسلہ میں پوری طرح آمادہ رہنا کیونکہ نماز تمہارے دین کا ستون ہے۔

7۔خدارا! خدارا! قرآن کے سلسلے میں خصوصی توجہ رکھنا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآنی احکام کی پیروی میں دوسرے لوگ تم سے آگے نکل جائیں۔

8۔خدارا! خدارا! خانہ کعبہ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ فریضۂ حج معطل ہو جائے اگر حج متروک ہو گیا تو دیکھتے ہی دیکھتے دوسرے لوگ تمہیں (مسلمانوں) نگل جائیں گے اور تمہیں اتنی مہلت بھی نہ مل پائے گی کہ تم اپنے کو سنبھال سکو۔

9۔دیکھو راہِ خدا میں جہاد سے غفلت نہ کرنا اور خدا کی راہ میں اپنے جان و مال کی پرواہ نہ کرنا۔

10۔خدارا! خدارا! زکوٰۃ کے سلسلے میں پوری طرح متوجہ رہنا کیونکہ زکوٰۃ الٰہی غیض و غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔

11۔خدارا! خدارا! اہل بیت پیغمبرؐ کے سلسلے میں غفلت نہ کرنا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ ظلم و ستم کا شکار ہو جائیں۔

12۔خدارا! خدارا! پیغمبرؐ کے اصحاب اور دوستوں کے بارے میں خاص توجہ رکھنا۔خود پیغمبر اسلام نے اپنے اصحاب اور ساتھیوں کے بارے میں حسنِ اخلاق و محبت کی سفارش کی ہے۔

13۔خدارا! خدارا! فقراء اور خالی ہاتھ لوگوں کے بارے میں غفلت نہ ہونے پائے بلکہ انہیں زندگی میں شریک قرار دینا۔

14۔خدارا! خدارا! غلاموں کے سلسلے میں کوتاہی نہ ہو کیونکہ پیغمبرؐ اسلام کی آخری سفارش انہیں لوگوں کے حق میں تھی۔

15۔جس کام سے خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہو اسے انجام دینے کی بھرپور کوشش کرنا اور اس سلسلے میں اس بات کی قطعی پرواہ نہ کرنا کہ لوگ کیا کہتے ہیں۔

16۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ہرگز نہ چھوڑنا اگر تم نے اسے ترک کر دیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ برے اور ناپاک لوگ تم پر مسلط ہو جائیں گے اور تمہارے اوپر طرح طرح کے مظالم کریں گے۔ایسے موقع پر تم میں سے نیک لوگ چاہے جتنی دعا کریں مگر ان کی

دعا قبول نہ ہوگی۔

17۔لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنا کیونکہ قرآن مجید نے اچھے اخلاق کا حکم دیا ہے۔

18۔آپس میں دوستانہ تعلقات کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔ایک دوسرے کے ساتھ نیکی کرنا۔آپس میں کنارہ کشی ،علیٰحدگی ،قطع تعلقات اور تفرقہ سے پرہیز کرنا۔

19۔کار خیر کو ایک دوسرے کی مدد سے اجتماعی طور پر انجام دینا اور ایسے کاموں میں تعاون سے پرہیز کرنا جو کدورت ، دشمنی اور گناہ کا سبب ہوں۔

20۔خدا سے ڈرتے رہنا کیونکہ خدا کا غضب سخت ہے۔خداوند عالم تم لوگوں کو اپنی حمایت کے سایہ میں محفوظ رکھے اور پیغمبرؐ کی امت کو یہ توفیق عطا کرے کہ وہ تمہارے اور اپنے پیغمبرؐ کے احترام کی حفاظت کرتے رہیں۔میں تم سبھی لوگوں کو خداوند عالم کی سپردگی میں دیتا ہوں۔

تم سبھی لوگوں پر درود وسلام۔''

اس وصیت کے بعد حضرت علیؑ کی زبان سے لا الہ الا اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا جملہ نہ نکلا اور وہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔[1]

---

[1] مقاتل الطالبین 44-28

کامل ابن اثیر جلد 3۔ص 194-197۔مروج الذہب مسعودی جلد 2 ص 40-44۔اسد لغابتہ جلد 4

بحار جلد 9۔مطبوعہ تبریز ایران

تمہارے لڑکے کیا ہوئے؟

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت اور معاویہ ابن سفیان کے اسلامی خلافت پر مطلق العنان قبضے کے بعد خواہ علیؑ کے پیروکاروں اور اس کے درمیان تکرار اور مجادلہ ہو ہی جایا کرتا تھا۔معاویہ کی ساری کوششیں یہی تھیں کہ ان سے یہ اقرار لے کہ علیؑ کی پیروی اور دوستی سے نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ اپنی تمام چیزوں کو آسانی کے ساتھ اس راستے میں گنوا دیا۔اس کی سعی وکوشش یہ تھی کہ کسی ایک (محب علیؑ) سے اس کی شرمندگی و پشیمانی کو خود اپنے کان سے سنے لیکن معاویہ کی یہ آرزو عملی جامہ اختیار کرنے سے قاصر رہی۔

حضرت علیؑ کے ماننے والے ان کی شہادت کے بعد ان کی عظمت وشخصیت سے اور زیادہ باخبر ہو گئے۔اس اعتبار سے جس حد تک یہ لوگ ان کی زندگی کے دوران فداکاری وایثار کا مظاہرہ کرتے تھے۔اس سے کہیں زیادہ وفات کے بعد ان کی روش اور اصولوں کو زندہ رکھنے کی کوشش جاری رکھیں۔کبھی تو یہاں تک نوبت پہنچتی تھی کہ معاویہ کے عمل کا نتیجہ الٹا ہو جاتا اور وہ خود اور اس کے نزدیک ترین شریک کار حضرت علیؑ کے پیروکاروں کے عقیدے اور احساسات سے متاثر ہو جاتے۔

حضرت علیؑ کے مخلص اور وفادار بابصیرت دوستوں میں سے ایک ''عدی ابن حاتم'' تھے عدی قبیلہ ''طی'' کے سردار تھے۔ان کے چند فرزند تھے۔وہ اور ان کے لڑکے اور ان کے قبیلے والے حضرت علیؑ کے بہادر جانبازوں میں سے تھے۔ان کے تین لڑکے ''طرفہ،طریف طارف'' ہو جنگ صفین میں حضرت کے ہمرکاب تھے شہید ہو چکے تھے جنگ صفین کے چند سال بعد جب کہ حضرت علیؑ درجہ شہادت پر فائز ہوئے تھے اور معاویہ برسرِ اقتدار آیا تھا۔زمانے کے اتار چڑھاؤ نے عدی ابن حاتم کو معاویہ کے روبرو قرار دیا۔معاویہ اس غرض سے کہ عدی کے زخموں کو ہرا کرے اور ان سے یہ اقرار واعتراف لے کہ علیؑ کی پیروی سے کتنا خسارہ اٹھایا ہے۔ان سے کہا:''این الطرفات''؟''تمہارے لڑکے

''طرفہ''''طریف''''طارف'' کیا ہوئے؟''

''جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے پیشا پیش شہید ہو گئے۔''

''علیؑ نے تمہارے حق میں انصاف نہیں کیا۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ تمہارے لڑکوں کو آگے آگے رکھا اور مروا دیا اور اپنے بچوں کو محاذ سے پیچھے محفوظ رکھا۔''

''اصل میں یہ ہے کہ میں نے علیؑ کے حق میں انصاف نہیں کیا۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ وہ شہید ہو گئے اور میں زندہ رہا۔ مجھے چاہیے یہ تھا کہ ان کی زندگی میں اپنی جان ان پر فدا کر دوں۔''

معاویہ نے دیکھا کہ اس کا مطلب پورا نہ ہوا دوسری طرف سے اس کا دل بہت چاہتا تھا کہ علیؑ کے فضائل و حالات کو ایسے لوگوں سے سنے جو ایک زمانے تک دن رات ان سے قریب اور ساتھ ساتھ رہے ہوں۔ عدی سے گذارش کی کہ علیؑ کے فضائل کو جو اس نے قریب سے مشاہدہ کیے ہیں بیان کرے۔ عدی نے کہا: ''معذرت چاہتا ہوں۔''

''نہیں ضرور مجھ سے بیان کرو۔''

''خدا کی قسم حضرت علی علیہ السلام بہت دور اندیش اور عظیم بہادر تھے۔ عدل و انصاف اور حق کی حمایت کرتے تھے۔ علم و یقین کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے۔ علم و حکمت آپ کا زیور تھا۔ دنیاوی جاہ و حشمت زرق برق سے متنفر اور رات کی تاریکیوں اور تنہائیوں سے مانوس تھے۔ یادِ خدا میں بہت گریہ وزاری کرتے تھے اور غور و فکر زیادہ کرتے تھے۔ تنہائی میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے۔ معمولی کپڑا پہنتے اور فقیرانہ زندگی پسند کرتے تھے۔ ہم لوگوں کے درمیان ہمارے ہی جیسے رہتے تھے۔ اگر کوئی چیز ان سے چاہتے تو قبول

فرماتے اور اگر ان کی خدمت میں جاتے تو اپنے پاس بٹھاتے اور ہم سے دور نہ بیٹھتے۔ ان تمام چیزوں کے باوجود اس قدر رعب و دبدبہ تھا کہ کوئی بات کرنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔

اتنے عظیم تھے کہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جس وقت تبسم فرماتے تھے۔ ان کے دانت جڑے ہوئے موتیوں کی طرح ظاہر ہوتے۔ وہ متدین اور متقی افراد کا احترام کرتے اور بے سہارا لوگوں سے محبت کرتے تھے۔ کوئی بھی طاقتور نہ ان سے ظلم کا خوف رکھتا تھا نہ کوئی کمزور ان کی عدالت سے ناامید ہوتا تھا۔ خدا کی قسم ایک رات اپنی آنکھوں سے دیکھا: محراب عبادت میں کھڑے تھے جبکہ رات کی تاریکی چاروں طرف چھائی ہوئی تھی ان کے آنسو چہرہ اور ریش مبارک پر گر رہے تھے، سانپ کے کاٹے ہوئے انسان کی طرح تڑپ رہے تھے اور مصیبت زدہ آدمی کی طرح رو رہے تھے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ میں ابھی ان کی آواز سن رہا ہوں دنیا سے مخاطب ہو کر فرما رہے تھے۔

''اے دنیا مجھے چھیڑ رہی ہے اور میری طرف رخ کیا ہے۔ چل، جا، کسی اور کو دھوکہ دے'' تجھے تین طلاق دے چکا ہوں جس میں رجوع کرنا ہی نہیں ہے تجھ سے خوش ہو جانا ناچیز ہے اور تجھے اہمیت دینا کوئی معقول بات نہیں۔ افسوس صد افسوس مختصر زادِ راہ ہے ایک طولانی سفر ہے اور مونس بہت کم ہیں۔''

جس وقت عدی کی گفتگو اس منزل پر پہنچی معاویہ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل آئے۔ اپنی آستین سے آنسوؤں کو خشک کیا اور کہا: ''خدا ابوالحسن (علیؑ) پر رحمت نازل کرے وہ ایسے ہی تھے جیسا تم نے بیان کیا۔ اب یہ بتاؤ کہ ان کی جدائی میں تمہاری کیا کیفیت ہے؟''

''اس ماں کے مثل ہے جس کی گود میں اس کے عزیز فرزند کا سر کاٹ دیا گیا ہو۔''

''کیا تم انہیں بھلا سکتے ہو؟''

''کیا زمانے کے حالات مجھے انہیں بھلانے دیں گے۔''[1]

---

[1] الکنیٰ والالقاب جلد 2۔ نقل از کتاب المحاسن والمساوی ابراہیم ابن محمد بیہقی از اعلام قرن سوم ہجری

استاد کی نصیحت

41ہجری میں تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی معاویہ بن ابی سفیان نے یہ فیصلہ کیا کہ جھوٹے پروپیگنڈوں اور مخالف نعروں کے ذریعہ حضرت علی علیہ السلام کو عالم اسلام کے سامنے ایک منفور ترین شخص کی حیثیت سے پیش کردے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس نے مختلف النوع تبلیغی وسائل کا استعمال شروع کردیا۔ ایک طرف ننگی تلوار اور تیز دھار نیزوں کے ذریعہ اس نے حضرت علیؑ کے فضائل کی اشاعت پر سخت پابندی لگادی۔ چنانچہ کسی آدمی کو اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ علیؑ کی مدح میں اپنی زبان کھول سکے یا کوئی ایسی حکایت وحدیث بیان کرے جس سے ان کی عظمت وفضیلت کی نشاندہی ہوتی ہو۔

دوسری طرف بے شمار دولت دے کر اس نے کچھ دنیا طلب لوگوں کو اپنا غلام بنالیا تاکہ وہ لوگ حضرت علیؑ کے خلاف حدیث گڑھنے کا کام شروع کردیں۔

لیکن معاویہ کے مقصد کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہ تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں ایسا انتظام کرنا چاہتا ہوں کہ علیؑ کی عداوت میں کمسن بچے جوان ہوجائیں اور سن رسیدہ لوگ علیؑ کی مخالفت کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوں یعنی بوڑھے بچے اور نوجوان سبھی لوگ علیؑ کے دشمن ہوجائیں۔ اس کام کے لئے اس نے ترکیب یہ لگائی کہ وسیع مملکت اسلامیہ کے ہر گوشے میں علیؑ پر ایسی سبّ وشتم کی جائے کہ یہ ایک عوامی اور مذہبی نعرہ کی شکل اختیار کرے چنانچہ اس نے حکم صادر کیا کہ علیؑ پر سبّ شتم کو خطبۂ نماز جمعہ کا جز قرار دیا جائے اور ہر نماز جمعہ کے بعد حضرت علیؑ کو گالیاں دی جائیں۔ تاکہ علوی لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جانے لگے اور یہ لوگ اسلامی خلافت کا خیال اپنے دل سے نکال دیں۔ اس کے اس حکم کی پیروی کی جانے لگی۔ اس تاریخ کے بعد جو نسل پیدا ہوئی وہ ان نعروں سے بخوبی واقف

ہوجاتی تھی اور لوگ خود بخود ان توہین آمیز نعروں کو دہرانے لگے تھے۔ اس رسم نے سادہ لوح لوگوں پر اچھا خاصہ اثر قائم کرلیا تھا۔ یہاں تک کہ ایک روز ایک آدمی حجاج کے پاس یہ شکایت لے کر آیا اور کہنے لگا: ''میرے رشتہ داروں نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے اور میرا نام علی رکھ دیا گیا ہے۔ میں تجھ سے مدد کا مطالبہ کرتا ہوں اور میری درخواست ہے کہ تو میرا نام تبدیل کردے تاکہ لوگ مجھے علی کے نام سے پکاریں۔

حجاج نے اس کا نام بدل دیا اور کہا چونکہ تو نے علیؑ سے نفرت وبیزاری کو وسیلہ قرار دیتے ہوئے مجھے اپنی امداد کے لئے طلب کیا ہے اس لئے فلاں عہدہ پر تیرا تقرر کرتا ہوں۔ تو جا اور اس عہدہ کی تمام ذمہ داریاں اپنی تحویل میں لے لے۔ جھوٹی تبلیغ اور بے بنیاد نعرے رنگ لاچکے تھے۔ لیکن کسے یہ خبر تھی کہ ایک معمولی سا واقعہ پچاس سالہ جھوٹی تبلیغات کے اثرات کا خاتمہ کردینے کے لئے کافی ہوگا اور حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ خاندان بنی امیہ کے ایک فرد عمر بن عبدالعزیز کا بچپن تھا۔ ایک دن وہ بچوں کے ساتھ کھیل میں مشغول تھے۔

حسب معمول علیؑ بن ابی طالب پرست وشتم لڑکوں کا تکیہ کلام بن چکا تھا۔ سارے بچے کھیل کود، ہنسی مذاق اور ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے میں مست تھے اور کسی بات کے بہانے حضرت علیؑ پر سب وشتم کرتے جارہے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز بھی ان بچوں کے ساتھ ہم آہنگ اور ہم صدا تھے۔ حسن اتفاق کہ ان کے استاد جو ایک خداشناس، دیندار اور صاحب بصیرت شخص تھے اس راستے سے گزرے اور اپنے کان سے یہ سن لیا کہ ان کا شاگرد عزیز حضرت علیؑ پر سب وشتم کررہا ہے۔ استاد نے عمر بن عبدالعزیز سے کچھ نہیں کہا اور انتہائی خاموشی کے ساتھ مسجد کی طرف روانہ ہوگئے۔

دھیرے دھیرے پڑھائی کا وقت آگیا۔ عمر بن عبدالعزیز درس حاصل کرنے کے لئے مسجد پہنچے۔ استاد نے عمر کو دیکھا۔ اپنی جگہ سے اٹھے اور نماز پڑھنا شروع کردیا اور

دیر تک نماز پڑھتے رہے۔ عمر کو احساس ہو گیا کہ نماز تو ایک بہانہ ہے اصل بات کچھ اور ہے۔ شاید استاد کو میری کسی بات سے تکلیف پہنچی ہے۔ غرض کہ وہ دیر تک انتظار کرتے رہے۔ استاد نماز سے فارغ ہوئے اور انتہائی غضب آلود نگاہوں سے اپنے شاگرد کو دیکھا۔

عمر نے کہا: ''استاد محترم! اگر ممکن ہو تو بیان فرمائیں کہ اس بندۂ ناچیز سے ایسی کونسی خطا سرزد ہوئی ہے کہ اس قدر رنجیدہ ہیں۔''

''میرے بچے! کیا آج تم علیؑ پر سب وشتم کر رہے تھے؟'' استاد نے پوچھا۔

''جی ہاں!''

''خداوند عالم اہلِ بدر سے راضی ہونے کا اعلان کر چکا ہے۔ آخر تمہیں یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ بعد میں وہ ان لوگوں سے ناراض ہو گیا اور یہ لوگ سب وشتم کے مستحق ہو گئے۔''

''کیا اہل بدر میں علیؑ بھی تھے؟'' کیا جنگ بدر میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کا تعلق علیؑ کے علاوہ کسی دوسرے شخص سے بھی ہے؟''

''استاد محترم! میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہ کروں گا۔''

''قسم کھاؤ کہ ایسا ہرگز نہ کرو گے۔''

''میں قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ ایسی خطا کبھی نہ کروں گا۔''

اس بچے نے اپنے استاد سے جو وعدہ کیا تھا اس پر پوری طرح ثابت قدم رہا۔ استاد کی دوستانہ اور منطقی بات اسے ہمیشہ یاد رہی۔ چنانچہ اس کے بعد اس نے حضرت علیؑ پر کبھی سب وشتم نہیں کی۔ لیکن گلی کوچہ بازار و دربار اور مسجد و منبر ہر جگہ سے علیؑ پر سب وشتم کی آواز اس کے کانوں سے برابر ٹکراتی رہی۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا کہ علیؑ پر سب وشتم ایک رسم کی شکل اختیار کر چکی ہے اسی طرح کئی سال گزر گئے کہ ایک دن ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے عمر بن عبدالعزیز کی فکری صلاحیت کو جھنجھوڑ ڈالا۔ اس واقعہ کے بعد اس کے سوچنے

کا انداز بالکل بدل گیا۔

عمر بن عبدالعزیز کا باپ حاکم مدینہ تھا۔ رائج سنت کے مطابق، ہر جمعہ کو نماز کا خصوصی اہتمام کیا جاتا تھا اور اس کا باپ نماز سے قبل خطبہ پڑھا کرتا تھا اور بنی امیہ نے جس رسم کی ایجاد کی تھی۔ اس کی پیروی کرتے ہوئے وہ اپنے خطبے کے آخر میں حضرت علیؑ پر سب وشتم بھی کرتا تھا۔ ایک دن عمر اس بات کی طرف متوجہ ہوئے کہ ان کا باپ پورے خطبے کے دوران بڑی فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کرتا ہے اور جس موضوع پر تقریر کرتا ہے اسے انتہائی واضح اور روشن انداز میں بڑی مہارت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

لیکن جیسے ہی وہ علیؑ بن ابی طالب پر سب وشتم شروع کرتا ہے اس کی زبان میں ایک طرح کی لکنت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے انداز بیان میں عاجزی اور تھکاوٹ کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ عمر کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی اور اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہ ہوئی کہ باپ کے دل کی گہرائی میں ایسی کوئی بات ضرور ہے جسے وہ اپنی زبان سے نہیں کہہ سکتے جس کی وجہ سے ان کے طرز بیان میں خواہ مخواہ یہ تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ان کی زبان میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک دن عمر بن عبدالعزیز نے اپنے باپ کے سامنے اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔

''ابا جان! آپ جس کسی موضوع پر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں اسے انتہائی فصاحت وبلاغت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن جیسے ہی اس آدمی پر گالی کی باری آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ کی طاقت گویائی سلب ہو گئی ہو اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اب آپ کی زبان بند ہونے والی ہے۔ آخر انداز بیان میں اس تبدیلی کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''میرے بیٹے! تم اس بات کی طرف متوجہ ہو گئے؟''

''جی ابا جان! یہ بات آپ کے انداز بیان میں پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔''

''میرے بیٹے! میں تم سے صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ منبر کے نیچے بیٹھنے والے

لوگ اگر اس شخص کی فضیلت کے بارے میں اتنی واقفیت حاصل کرلیں جتنا تیرا باپ واقف ہے تو یہ سب لوگ ہم سے کنارہ کش ہوکر اس آدمی کی اولاد کی پیروی کرنے لگیں گے۔''

عمر بن عبدالعزیز نے بچپن میں اپنے استاد کی زبان سے جو کچھ سنا تھا آج ان کے باپ نے اس کی باقاعدہ تصدیق کردی۔ چنانچہ ان کے دل میں غیر معمولی انقلاب برپا ہوگیا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں یہ عہد کیا کہ اگر کبھی اقتدار کی باگ دوڑ میرے ہاتھ آ گئی تو میں اس شرمناک رسم کو بالکل ختم کردوں گا۔ 99 ہجری کا زمانہ آ گیا۔ معاویہ نے جس شرمناک رسم کی ایجاد کی تھی وہ تقریباً گذشتہ ساٹھ برسوں تک جاری رہی۔ اس وقت سلیمان بن عبدالملک خلافت کررہا تھا۔ سلیمان بیمار ہوا اور یہ سمجھ کہ اپنے بھائی یزید بن عبدالملک کو اپنا ولی عہد مقرر کردے۔ لیکن سلیمان نے بعض مصالح کی بنیاد پر عمر بن عبدالعزیز کو اپنا خلیفہ وجانشین مقرر کردیا۔

سلیمان کی وفات کے بعد مسجد میں اس کا وصیت نامہ پڑھا گیا۔ سب لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے کہ سلیمان نے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ مقرر کیا ہے۔ عمر اس مجلس میں سب سے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے حق میں وصیت کی گئی ہے تو ان کی زبان سے بے اختیار یہ کلمات نکل پڑے۔ ''انّاللہ وانّاالیہ راجعون'' اس کے بعد لوگوں نے انہیں پکڑ کر منبر پر بٹھادیا اور لوگوں نے خوشی خوشی ان کی بیعت قبول کرلی، تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے اپنی پہلی فرصت میں جو کام کیے ان میں یہ بات بھی شامل تھی کہ علی بن ابی طالب پر کی جانے والی سب وشتم پر سخت پابندی عائد کرتے ہوئے یہ حکم صادر کیا کہ خطبہ نماز جمعہ کے دوران علیؑ پر سب وشتم کے بجائے قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کی تلاوت کی جائے۔ اِنَّ اللہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ شعراء اور مقررین نے عمر بن عبدالعزیز کے اس کام کی بڑی ستائش کی اور اس کے نیک نام کو جاوید بنادیا۔ شرح ابن ابی الحدید چھاپ بیروت ج1 ص464 کامل ابن اثیر جلد4 ص154

مسلمان بھائی کا حق

عبدالاعلیٰ ابن اعین کوفے سے مدینے جانے والے تھے۔ کوفے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے چاہنے والوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی ضرورت کے بہت سارے سوالات لکھ کر عبدالاعلیٰ کے حوالے کردیے کہ آتے وقت امامؑ سے ان سوالوں کے جواب لیتے آنا۔ ضمنی طور پر ان لوگوں نے عبدالاعلیٰ سے کہا کہ ایک بات امامؑ سے زبانی طور پر معلوم کرلینا۔ اس سوال کا تعلق مسلمان بھائی کے حق سے تھا۔ یعنی ایک مسلمان کا تمام مسلمانوں پر کیا حق ہوتا ہے۔ عبدالاعلیٰ شہر مدینہ میں داخل ہوئے اور سیدھے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ کتبی سوالات امام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اہل کوفہ کا زبانی سوال بھی ان کے سامنے دھرادیا۔ خلاف امید امامؑ نے سارے سوالوں کا جواب دے دیا مگر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر کیا حق ہوتا ہے اس سلسلے میں کچھ نہ کہا۔

عبدالاعلیٰ نے اس روز امام سے کچھ نہ کہا اور باہر چلے گئے۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے مگر امامؑ نے اس سلسلے میں ایک جملہ بھی نہ کہا۔ عبدالاعلیٰ نے مدینہ سے کوفہ واپسی کا ارادہ کرلیا اور خدا حافظ کہنے کے لئے امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔

''فرزند رسول! اس دن میں نے آپ سے ایک سوال پوچھا تھا مگر جواب سے محروم رہا۔''

''میں نے تمہارے اس سوال کا جواب عمداً نہیں دیا تھا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے حقیقت بیان کردی اور تم لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا تو خدا کے دین سے خارج ہوجاؤ گے؟'' اس کے بعد امامؑ نے اپنا سلسلہ کلام

جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

’’اے شک بندگان خدا کو تین سخت ترین الٰہی فرائض انجام دینے ہیں۔‘‘

’’پہلا الٰہی فریضہ ہے کہ انسان اپنے اور دوسروں کے درمیان عدل وانصاف سے کام لے۔ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرے جیسے وہ خود اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

’’دوسرا الٰہی فریضہ یہ ہے کہ مسلمان بھائیوں سے اپنے مال کا مضائقہ نہ کرے یعنی اگر ضرورت ہو تو اپنے مال سے مسلمان بھائی کی مدد میں کوتاہی نہ کرے اور ان کے ساتھ مواسات یعنی اپنے مال کے ذریعہ امداد کا سلوک اختیار کرے۔

’’تیسرا الٰہی فریضہ ہر حال میں اپنے خدا کو یاد کرنا ہے۔ لیکن یاد خدا سے ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں ہے کہ انسان ہمیشہ سبحان اللہ اور الحمدللہ کہتا رہے بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں خدا کی یاد ہمیشہ باقی ہے تو وہ حرام کام انجام دینے سے دور رہے گا یعنی خدا کی یاد اسے فعل حرام سے دور رکھے گی۔‘‘[1]

---

[1] اصول کافی جلد 2 صفحہ 160-160

ماں کا حق

زکریا ابن ابراہیم کے والدین اوران کے خاندان والے عیسائی تھے لہٰذا وہ خود بھی اسی دین کی پیروی کرتے تھے۔ کافی دنوں سے انہیں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ان کا دل مذہب اسلام کی طرف مائل ہے ان کا ضمیر انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے رہا تھا۔ آخرکار والدین اور خاندان والوں کی مرضی کے خلاف انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسلامی احکام وقوانین کی پیروی کرنے لگے حج کا زمانہ آگیا۔

زکریا سفر حج کے ارادہ سے کوفہ سے باہر نکلے اور مدینہ منورہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور اپنا سارا ماجرا امامؑ کے سامنے بیان کردیا کہ کس طرح اس نے اسلام قبول کیا۔ امامؑ نے ان سے دریافت کیا۔

’’اسلام کی کونسی چیز تمہیں زیادہ پسند آئی؟‘‘

زکریا نے جواب دیتے ہوئے کہا: ’’میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ قرآن مجید میں پروردگار عالم کا یہ کلام میرے اوپر صادق نظر آتا ہے جس میں وہ اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ’’اے پیغمبرؐ! تم پہلے جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے وحی کی صورت میں نازل کئے گئے اس قرآن کو ایسا نور بنادیا جس کے وسیلے سے ہم جس کی رہنمائی وہدایت کرنا چاہتے ہیں کردیتے ہیں۔[2]

امامؑ نے ارشاد فرمایا۔ ’’میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ خداوند عالم نے تیری ہدایت ورہنمائی کردی۔‘‘ اس کے بعد امامؑ نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ ’’اے پروردگار! تو خود ہی اس شخص کا رہنما رہے۔‘‘

---

[2] مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۔(سورہ شوریٰ آیہ 52)

اس کے بعد آپ نے کہا۔ ''اے نوجوان! اب جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔''

اس نوجوان نے کہا۔ ''میرے ماں باپ اور خاندان والے عیسائی ہیں۔ میری والدہ نابینا ہیں میں انہیں لوگوں کے ساتھ رہتا ہوں اور مجبوراً انہیں کے ساتھ کھانا بھی کھاتا ہوں۔ ایسی صورت میں میرا فریضہ کیا ہے؟''

''کیا وہ لوگ سور کا گوشت کھاتے ہیں۔''

''نہیں یا ابن رسول اللہ۔ وہ لوگ سور کے گوشت کو چھوتے بھی نہیں ہیں۔''

''پس ان لوگوں کے ساتھ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔''

اس کے بعد امامؑ نے ارشاد فرمایا: ''دیکھو! اپنی والدہ کی خدمت میں کوتاہی نہ کرنا جب تک وہ زندہ ہے اس کے ساتھ حسن سلوک سے کام لینا اور جب وہ مرجائے تو اس کے جنازہ کو دوسروں کے حوالے نہ کر دینا بلکہ خود ہی اس کے دفن و کفن کا انتظام کرنا۔'' یہاں کسی سے ذکر نہ کرنا کہ مجھ سے ملاقات کی ہے۔ میں خود بھی مکہ آؤں گا اور انشاء اللہ منیٰ کے میدان میں ملاقات ہوگی۔

نوجوان منیٰ کے میدان میں امامؑ کی تلاش میں مصروف تھا۔ ایک جگہ اس نے دیکھا کہ امام کے چاروں طرف بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ لوگ بچوں کی طرح یکے بعد دیگرے ان سے اس طرح مسائل دریافت کر رہے ہیں جیسے معلم سے سبق پڑھا جاتا ہے۔ امامؑ کے پیچھے کھڑے ہوئے لوگ بھی دور ہی سے اپنا سوال کر دیتے اور انہیں خاطر خواہ جواب مل جاتا تھا۔ حج کا زمانہ ختم ہوا اور وہ نوجوان کوفہ واپس آ گیا۔ اسے امامؑ کی ہدایت اچھی طرح یاد تھی چنانچہ وہ والدہ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو گیا اور ایک لمحے کے لئے بھی وہ اپنی والدہ سے غافل نہ ہوا۔ وہ اپنے ہاتھ سے اپنی ماں کو کھانا کھلاتا تھا اور خود ہی ماں کے کپڑے دھوتا اور اس کے سر سے جوئیں نکالا کرتا تھا۔

بچے کے اخلاق میں یہ غیر معمولی تبدیلی خصوصاً سفر حج کے بعد اس کی یہ خصوصی

توجہ ماں کے لئے حیرانی کا باعث قرار پائی۔ چنانچہ ایک روز اس نے اپنے لڑکے سے پوچھا:

میرے بیٹے! پہلے تو ہمارے دین پر تھا اور ہم دونوں ایک ہی مذہب کی پیروی کرتے تھے لیکن اس وقت تو میرے ساتھ اتنی خوش اخلاقی اور محبت سے نہیں پیش آتا تھا۔ اس وقت ہم لوگ مذہبی اعتبار سے ایک دوسرے بالکل علیٰحدہ ہیں اس کے باوجود آخر کیا وجہ ہے کہ اب تو مجھ سے پہلے سے زیادہ محبت کرنے لگا ہے اور میرے ساتھ غیر معمولی حسن اخلاق سے پیش آتا ہے؟

''والدہ گرامی! فرزندانِ پیغمبرؐ اسلام میں سے ایک شخص نے مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔''

''کیا وہ شخص بھی پیغمبر ہے؟''

''نہیں وہ پیغمبر نہیں ہیں بلکہ ان کی اولاد میں ہیں۔''

''میرے بیٹے! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود بھی پیغمبر ہیں کیونکہ اس قسم کی سفارش پیغمبروں کے علاوہ دوسرے لوگ نہیں کرتے۔''

نہیں ماں، آپ یقین کیجئے وہ پیغمبر نہیں ہیں بلکہ پیغمبر کے بیٹے ہیں اور بنیادی چیز یہ ہے کہ ہمارے پیغمبرؐ کے بعد اس دنیا میں کوئی دوسرا پیغمبر نہ آئے گا۔''

''میرے بیٹے! تیرا دین تو بہت اچھا ہے اور دوسرے تمام ادیان و مذاہب سے بہتر بھی ہے۔ تم مجھے بھی اپنا دین سکھا دو۔''

اس نوجوان نے ماں کے سامنے شہادتیں پڑھی۔ ماں نے خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کی گواہی دی اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے اپنی نابینا ماں کو نماز ادا کرنے کا طریقہ سکھایا۔ ماں نے نماز پڑھنا سیکھ لیا اور ظہر و عصر کی نماز ادا کی۔ رات ہوگئی چنانچہ توفیق خداوندی کے سہارے اس نے مغرب و عشاء کی نماز بھی

پڑھ لی۔رات کے آخری حصہ میں اچانک ماں کی حالت زیادہ خراب ہوگئی۔اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور کہنے لگی۔

''میرے بیٹے! تھوڑی دیر قبل تو نے مجھے جو چیزیں تعلیم کی تھیں اسے ایک بار پھر بیان کر۔''

لڑکے نے دوبارہ شہادتیں اور تمام اصول دین یعنی وحدانیت، رسالت، قرآن اور آخرت پر ایمان کی باتیں اپنی والدہ کو سکھائیں اور وہ بوڑھی ماں کلمہ پڑھتی ہوئی دنیا سے رخصت ہوگئی۔

صبح ہوئی اور تمام مسلمان اس عورت کے غسل وکفن کے لئے اس کے گھر کے سامنے جمع ہوگئے۔جس شخص نے اس بوڑھی عورت کی نماز جنازہ پڑھائی اور اسے اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیا وہ اس کا جوان بٹیا زکریا تھا۔[1]

[1] اصول کافی جلد 2 صفحہ 160-161

عالم کے سامنے

حضرت رسول خداﷺ کے پاس ایک شخص انصار میں سے آیا اور اس نے سوال کیا:

''اے رسولؐ خدا اگر کسی کا جنازہ مشایعت وتدفین کے لئے تیار ہو اور دوسری طرف علمی نشست ہو جس میں شرکت کرنے سے کسبِ فیض ہو اور دونوں بیک وقت ہوں اور وقت بھی اتنا نہ ہو کہ دونوں جگہ کوئی شرکت کر سکے ایک میں شریک ہو تو دوسرے سے محروم رہ جائے تو ایسی صورت میں آپ کس کو پسند کریں گے تاکہ میں بھی اسی میں شرکت کروں؟''

آنحضرتﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر دوسرے لوگ موجود ہیں جو جنازے کے ہمراہ جا کر اسے دفن کریں: تو تم علمی بزم میں شرکت کرو کیونکہ ایک علمی بزم میں شرکت ہزار جنازوں کی مشایعت میں حاضری، ہزار بیمار کی عیادت، ہزار رات کی عبادت، ہزار دن کے روزوں، ہزار صدقہ، ہزار غیر واجب حج اور ہزار غیر واجب جہاد سے بہتر ہے۔''

یہ سب چیزیں کہاں اور عالم کی خدمت میں حاضری کہاں؟ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ علم کی بدولت خدا کی اطاعت کی جاتی ہے اور علم کے ذریعہ عبادت خدا ہوتی ہے۔ دنیا وآخرت کی خیر وبھلائی علم سے وابستہ ہے جس طرح سے دنیا وآخرت کی برائی جہالت سے جدا نہیں۔''[2]

[2] بحار الانوار، جلد 1، ص 204، طبع جدید

ہشام اور طاؤس یمانی

ہشام ابن عبدالملک اموی خلیفہ اپنے زمانۂ خلافت میں مکہ حج کے ارادہ سے آیا تو اس نے یہ حکم دیا کہ جس شخص نے رسولؐ خدا کا زمانہ دیکھا ہو اور ان کی صحابیت کا شرف حاصل کیا ہو اسے لایا جائے۔ تاکہ اس سے اس زمانے سے متعلق سوالات کرے۔ اس کو بتایا گیا کہ رسولؐ خدا کا کوئی بھی صحابی زندہ نہیں ہے۔ سب انتقال کر گئے۔ ہشام نے کہا: ''تابعین [۱] میں سے کسی کو لایا جائے تاکہ ان کے حضور سے کسبِ فیض کریں'' طاؤس یمانی کو حاضر کیا گیا۔

طاؤس جس وقت آئے تو انہوں نے اپنے جوتے ہشام کے سامنے فرش پر اپنے پیروں سے نکالے او رخلافِ معمول سلام کیا۔ ہر شخص سلام کے وقت السلام علیک یا امیر المومنین کہتا تھا لیکن طاؤس نے صرف السلام علیک کہا اور یا امیر المومنین نہیں کہا۔ اس کے علاوہ یہ کہ فوراً ہشام کے سامنے بیٹھ گئے اور بیٹھنے کی اجازت بھی نہ لی جبکہ طریقہ یہ تھا کہ جب تک خلیفہ خود بیٹھنے کی اجازت نہ دے لوگ اس کے سامنے کھڑے رہتے تھے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ طاؤس نے مزاج پرسی کے لئے یہ کہا:

''ہشام تمہارا مزاج کیسا ہے؟''

طاؤس کے کردار وعمل نے ہشام کو سخت غضبناک کر دیا۔ ہشام نے طاؤس کی طرف رخ کر کے کہا: ''یہ سب کام تم نے میرے سامنے کیا کئے؟''

''میں نے کیا کیا؟''

''یہ معلوم کرتے ہو کہ تم نے کیا کیا؟ تم نے اپنے جوتے میرے سامنے

[۱] تابعین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو آنحضرتؐ کے صحابی نہ رہے ہوں لیکن اصحاب رسول کی مصاحبت میں رہے ہوں)

کیوں اتارے؟ مجھے امیر المومنین کہہ کر کیوں نہیں پکارا؟ میری اجازت کے بغیر میرے سامنے کیوں بیٹھے؟ اس توہین آمیز صورت میں میری مزاج پرسی کیوں کی؟''

طاؤس نے جواب دیا: ''تمہارے سامنے جوتے اس لئے میں نے نکالے کہ دن میں خداوند عالم کے سامنے پانچ مرتبہ نکالتا ہوں اور وہ اس طرح مجھ پر غضبناک نہیں ہوتا۔''

''میں نے تمام مومنین کا امیر کہہ کر اس لئے نہیں پکارا کہ تم واقعاً سب مومنین کے امیر نہیں ہو بہت سے اہل ایمان تمہاری خلافت وحکومت سے ناراض ہیں۔''

''تمہارا نام لے کر اس لئے پکارا کہ خدا نے اپنے پیغمبروں کا نام لے کر پکارا ہے اور قرآن میں یا داوُدؑ، یا یحییٰؑ، یا عیسیٰؑ کہہ کر یاد کیا ہے۔ یہ عمل انبیاء جیسی شخصیتوں کے لئے توہین کا سبب نہیں ہے۔ اس کے برخلاف خدا نے ابولہب کا ذکر نام کے ساتھ نہیں بلکہ کنیت کے ساتھ کیا ہے۔''

تم نے جو یہ کہا کہ تمہارے سامنے اجازت کے بغیر بیٹھ گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اگر کسی جہنمی کو دیکھنا چاہتے ہو تو اس شخص کو دیکھ لو جو خود تو بیٹھا ہے لیکن لوگ اس کے اطراف میں کھڑے رہے ہیں۔''

طاؤس کی گفتگو جب اس منزل پر پہنچی تو ہشام نے کہا: ''اے طاؤس مجھے موعظہ کرو۔''

طاؤس نے کہا: ''حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے سنا ہے کہ جہنم میں بڑے بڑے سانپ اور بچھو ہیں ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ اس امیر کو ڈسیں جو لوگوں کے ساتھ عدالت وانصاف کا برتاؤ نہیں کرتا۔''

طاؤس یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھے اور باہر چلے گئے۔ [۲]

[۲] سفینۃ البحار، مادۂ ''طوس''

پنشن

ایک نصرانی بوڑھے نے زندگی بھر کام کر کے زحمتیں اٹھائیں لیکن ذخیرہ کے طور پر کچھ بھی جمع نہ کیا۔ آخر نابینا بھی ہو گیا۔ بڑھاپا و نابینائی اور مفلسی سب ایک ساتھ جمع ہو گئی تھیں بھیک مانگنے کے علاوہ اب اس کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہ تھا۔ اس لئے وہ گلی میں ایک طرف کھڑے ہو کر بھیک مانگتا تھا۔ لوگ رحم کا برتاؤ کرتے ہوئے صدقہ کے طور پر ایک ایک پیسہ اس کو دیتے تھے۔ اس طرح وہ اپنی بے کیف اور رنج آویز زندگی بسر کر رہا تھا۔

یہاں تک کہ ایک دن جب حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ ادھر سے گذرے اور اس کو اس حال میں دیکھا تو حضرت علیؑ اس بوڑھے کے حالات کی تحقیق میں لگ گئے تا کہ سمجھ سکیں کہ یہ شخص ان دنوں ایسی حالت میں کیوں مبتلا ہے؟ اور یہ معلوم کریں کہ آیا اس کا کوئی لڑکا ہے جو کہ اس کا کفیل ہو سکے؟ کیا کوئی دوسرا راستہ ہے کہ جس کے ذریعہ یہ بوڑھا عزت کے ساتھ زندگی بسر کر سکے اور بھیک نہ مانگے۔

بوڑھے کو پہچاننے والے آئے اور انہوں نے گواہی دی کہ یہ بوڑھا شخص نصرانی ہے اور جب تک جوانی تھی اور آنکھ تھی کام کرتا تھا۔ اب جبکہ جوانی اور بینائی دونوں سے محروم ہو چکا ہے اور کوئی کام نہیں کر سکتا ہے، ساتھ ساتھ کچھ دولت بھی نہیں رکھتا۔ غیر اختیاری طور پر بھیک مانگتا ہے، حضرت علیؑ نے فرمایا: ''عجیب بات ہے، جب تک طاقت رکھتا تھا تم لوگوں نے اس سے کام لیے اور اب اس کو اس حال پر چھوڑ دیا ہے۔ اس شخص کے گذشتہ حالات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب تک طاقت رکھتا تھا کام کر کے خدمتِ خلق کی۔ اس وجہ سے حکومت و سماج کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب تک یہ زندہ رہے گا اس کے ضروریات کو پورا کریں۔ جاؤ اور اس کو بیت المال سے مستقل کچھ رقم دیا کرو۔'' [1]

[1] وسائل الشیعہ، جلد2، ص425

عاشقِ رسولؐ

ایک شخص حضرت رسولؐ خدا سے بے حد عشق و محبت کرتا تھا اور تیل (روغن زیتون) بیچنے کا کام کرتا تھا۔ اس کے بارے میں یہ خبر مشہور تھی کہ وہ صدقِ دل سے رسولؐ خدا سے بے پناہ عشق و محبت کرتا ہے اور بہت چاہتا ہے۔ اگر ایک دن بھی آنحضرتؐ کو نہیں دیکھتا تو بے تاب رہتا ہے۔ وہ جب بھی کسی کام کے سلسلے میں گھر سے باہر جاتا تھا تو پہلے مسجد یا رسولؐ خدا کے گھر یا جہاں کہیں پیغمبر ہوتے تھے ہر ممکن ذریعہ سے اپنے آپ کو وہاں پہنچاتا اور آنحضرتؐ کی زیارت سے فرحت حاصل کر کے تقویت پاتا۔ پھر اپنے کام کے لئے جاتا تھا۔

جب کبھی پیغمبرؐ کے اردگرد ہوتے اور لوگوں کے پیچھے اس طرح ہوتا کہ پیغمبرؐ کو نہ دیکھ پا رہا ہو تو لوگوں کے پیچھے سے گردن اونچی کرتا تا کہ ایک بار ہی سہی، جمال پیغمبرؐ پر نگاہ ڈال سکے۔ ایک دن حضرت رسولؐ خدا اس کی طرف متوجہ ہوئے کہ لوگوں کے پیچھے سے ان کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پیغمبر بھی بڑھ کر اس کے مقابل آ گئے تا کہ وہ شخص آسانی کے ساتھ ان کو دیکھ سکے۔ وہ شخص اس دن پیغمبرؐ کو دیکھنے کے بعد اپنے کام کے لئے گیا۔ لیکن تھوڑی دیر نہ ہوئی تھی کہ واپس آیا۔

جیسے ہی رسولؐ خدا کی دوسری بار اس دن اس پر نظر پڑی ہاتھ کے اشارے سے اس کو قریب بلایا۔ وہ رسولؐ خدا کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا:

''آج کی تیری روش دوسرے اور دنوں سے کیوں مختلف رہی۔ دوسرے دنوں میں ایک مرتبہ آ کر اپنے کام کے لئے چلا جاتا تھا لیکن آج جانے کے بعد دوبارہ واپس آیا، کیوں؟''

''اے رسولؐ خدا! حقیقت یہ ہے کہ آج میرے دل میں آپ کی محبت اتنی زیادہ

ہوگئی ہے کہ میں اپنے کام کے لئے نہ جا سکا مجبور ہوکر واپس آ گیا۔''

رسولؐ خدا نے اس کے لئے دعائے خیر کی۔ وہ اس دن اپنے گھر گیا لیکن پھر دوبارہ دکھائی نہ دیا۔ چند دن گذر گئے اور اس کی کوئی خبر نہ مل سکی۔ پیغمبرؐ اسلام نے اپنے اصحاب سے اس کے بارے میں معلوم کیا تو سب نے یہی کہا کہ ایک مدت سے ہم اس کو نہیں دیکھ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ارادہ کیا کہ جا کر اس شخص کی خبر لیں اور معلوم کریں کہ اس پر کونسی مصیبت نازل ہوئی ہے۔ اپنے چند دوست اور اصحاب کے ہمراہ روغن زیتوں کے بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ جیسے ہی اس شخص کی دوکان پر پہنچے، دیکھا دوکان بند ہے اور کوئی نہیں ہے اس کے ہمسایہ سے اس کے حالات معلوم کیے تو انہوں نے کہا:

''اے رسولؐ خدا کئی روز پہلے انتقال ہو چکا ہے۔''

انہیں لوگوں نے کہا: ''اے رسولؐ خدا وہ بہت امانت دار اور سچا انسان تھا لیکن اس میں ایک بری خصلت تھی۔''

''وہ کونسی بری خصلت؟''

''بعض برے کاموں سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ مثلاً: عورتوں کی فکر میں رہا کرتا تھا۔''

''خدا اس کو بخشے اور اپنی رحمت میں شامل کرے، وہ مجھے اتنا زیادہ چاہتا تھا اور مجھ سے محبت کرتا تھا کہ اگر وہ غلام و کنیز فروشی بھی کرتا ہوتا تو خدا اسے بخش دیتا۔''[1]

[1] روضۂ کافی ص77

کھیرے والا

دوسری صدی ہجری میں ایک نشست اور ایک مرتبہ میں عورت کو تین طلاق دینے کا مسئلہ اہلِ نظر کے زیر بحث تھا۔ اس زمانے کے بہت سے علماء وفقہا اس بات کے معتقد تھے کہ ایک مرتبہ میں تین طلاق پے در پے بغیر رجوع کے صحیح ہے۔ لیکن علماء وفقہائے شیعہ اثنا عشری ائمہ معصومین علیہم السلام کی پیروی کی وجہ سے اس قسم کے طلاق کو باطل اور بے اثر جانتے تھے۔ فقہائے شیعہ یہ کہتے تھے کہ عورت کو تین طلاق دینا اس وقت صحیح ہے جب تین بار واقع ہوں۔ اس طرح کہ مرد عورت کو طلاق دے اور اس کے بعد رجوع کرے؛ دوبارہ طلاق دے پھر رجوع کرے۔ اس وقت جب تیسری بار طلاق دے گا تو اب عدہ میں مرد کا حق رجوع ختم ہوجائے گا۔ عدہ کے بعد بھی دوبارہ ازواج کا حق نہیں رکھتا مگر یہ کہ محلل کے مراحل انجام پا جائیں یعنی اس عورت کی شادی کسی دوسرے مرد سے ہوجائے اور ان دونوں کی ہمبستری کرنے کے بعد ان کے درمیان طلاق یا وفات کے ذریعہ جدائی واقع ہوجائے۔

کوفہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مرتبہ میں تین طلاق دیں اور بعد میں اپنے اس عمل پر پشیمان ہوا۔ اس لئے کہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا اور صرف ایک معمولی سی رنجش کی بنا پر جدائی کا ارادہ کرلیا تھا۔

عورت بھی اپنے شوہر سے محبت کرتی تھی۔ اس وجہ سے دونوں اس مشکل کی چارہ جوئی میں لگ گئے۔ اس مسئلہ کے سلسلے میں جب علمائے شیعہ سے استفتاء کیا، سب نے متفق ہوکر کہا جب تین طلاق ایک دفعہ میں واقع ہوئی ہیں باطل و بے اثر ہیں اور اس وجہ سے تم دونوں اب بھی شرعاً و قانوناً میاں اور بیوی ہو، لیکن دوسری طرف عام لوگ اپنے تمام علماء وفقہاء کی پیروی کی وجہ سے یہ کہتے تھے کہ وہ طلاق صحیح ہے اور ان دونوں کو ازدواجی زندگی

سے روکتے تھے۔

عجیب مشکل در پیش تھی، از دواجی زندگی میں حرام وحلال کا مسئلہ مانع تھا۔ دونوں مرد وعورت یہی چاہتے تھے کہ گذشتہ زمانے کی طرح اپنی زندگی گذارتے رہیں۔ لیکن فکرمند تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ طلاق صحیح ہوا اور اس کے بعد ان کی ہمبستری حرام ہونے کی وجہ سے ان کی آئندہ کی اولاد ناجائز ہو۔ مرد نے ارادہ کیا کہ علمائے شیعہ کے فتویٰ پر عمل کرے اور دی ہوئی طلاق کو ''کالعدم'' فرض کرے۔ عورت نے کہا: جب تک تو اپنے آپ اس مسئلہ کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے معلوم کر کے جواب حاصل نہ کرے گا میرا دل مطمئن نہ ہوگا۔

حضرت جعفر صادق علیہ السلام اس وقت قدیم شہر ''حیرہ'' (کوفہ کے نزدیک) میں زندگی بسر کر رہے تھے، ان کو ایک مدت سے عباسی خلیفہ سفاح نے اس جگہ مدینہ سے بلا کر نظر بند کر رکھا تھا اور کوئی بھی امامؑ سے ملاقات یا گفتگو نہ کرسکتا تھا۔ اس مرد نے جس تدبیر سے چاہا کہ اپنے آپ کو امامؑ کی خدمت میں پہنچائے کامیاب نہ ہوا۔ جہاں امامؑ نظر بند تھے، ایک دن اس کے قریب کھڑا ہو کر امامؑ کے گھر کا راستہ حاصل کرنے کی فکر میں تھا کہ اچانک اطراف کوفہ میں رہنے والوں میں سے ایک دیہاتی کو دیکھا۔ جو کہ سر پر کھیرے کا ٹوکرا رکھے آواز لگا رہا ہے:

''کھیرا لے لو، کھیرا۔''

اس دیہاتی شخص کو دیکھتے ہیں دماغ نے بجلی کی طرح کام کیا۔ آگے بڑھ کر اس سے کہا: ''ان تمام کھیروں کو کتنے میں بیچو گے؟''

''ایک درہم میں''

''لو یہ ایک درہم۔''

اس وقت دیہاتی شخص سے اس نے یہ خواہش کی کہ چند منٹ کے لئے پہننے کو اپنی

پگڑی دے دے اور اسے جلد واپس کرنے کا وعدہ کیا۔ دیہاتی نے یہ بات قبول کرلی۔ اس نے دیہاتی پگڑی پہن کر اپنے سراپا کو دیکھا تو بالکل ایک دیہاتی معلوم پڑ رہا تھا۔ کھیرے کی ٹوکری سر پر رکھی اور ''کھیرا لے لو کھیرا، کھیرا لے لو کھیرا'' کی آواز لگائی اور اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے امامؑ کے گھر کے پاس سے گذرا۔ جیسے ہی امامؑ کے گھر کے سامنے پہنچا۔ ایک غلام باہر آیا اور اس نے کہا اے ''کھیرے والے'' یہاں آؤ، بغیر اس کے کہ نگہبان مامورین متوجہ ہوں۔ بہت آسانی سے اپنے آپ کو اس نے امامؑ کی خدمت میں پہنچا دیا۔ امامؑ نے اس سے فرمایا:

''بہت اچھے؛ بہترین تدبیر اختیار کی۔ اب کہو کہ کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''اے فرزند رسولؐ! میں نے اپنی بیوی کو ایک دفعہ میں تین طلاق دیں۔ باوجودیکہ تمام علمائے شیعہ سے پوچھا سب نے یہی کہا کہ اس طرح کی طلاق باطل وبے اثر ہے، لیکن پھر بھی میری بیوی کا دل مطمئن نہیں ہے۔ وہ یہ کہتی ہے کہ جب تک تو خود امامؑ سے سوال کر کے جواب نہ لے لے گا میں قبول نہ کروں گی۔ اس وجہ سے تدبیر کے ذریعہ میں نے اپنے آپ کو آپ کی خدمت میں پہنچایا تا کہ اس مسئلہ کا جواب لے سکوں۔''

''جاؤ، اطمینان رکھو کہ وہ طلاق باطل ہے اور تم دونوں شرعاً وقانوناً ایک دوسرے کے میاں وبیوی ہو۔''[1]

[1] بحارالانوار، جلد 11، مطبوعہ کمپانی ص 154

اُم علاء کی گواہی

مدینہ میں مسلمانوں کے مجموعی طور پر دو گروہ تھے۔ ایک اصلی باشندوں کا، دوسرا ان لوگوں کا جو رسولؐ خدا کی مدینہ تشریف آوری کی وجہ سے دوسرے مقامات سے مدینہ آئے تھے جو لوگ دوسری جگہوں سے آتے تھے ''مہاجرین'' اوراصلی باشندوں کو ''انصار'' کہتے ہیں۔ مہاجرین چونکہ وطن، گھر، مال ودولت اور غالباً اہل وعیال کو چھوڑکر آئے تھے اس لئے ان کے پاس اسباب زندگی اور کوئی سروسامان نہ تھا۔

لیکن یہ لوگ سچے محب اور عاشق تھے۔ اس وجہ سے انصار اپنے دینی بھائیوں کی اپنے گھروں میں فراخدلی سے مہمان نوازی کرتے تھے۔ مہمان اور میزبان کا امتیاز نہ کرتے تھے۔ بلکہ مساوات وبرابری کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کو اپنے مال وزندگی میں شریک شمار کرتے تھے اور کبھی ان کو اپنے سے مقدم شمار کرتے تھے: ''**یوثرون علیٰ انفسھم ولو کان بھم خصاصہ**''

عثمان بن مظعون ایک مہاجر تھے جو مکہ سے آئے تھے۔ ایک انصاری کے گھر زندگی بسر کر رہے تھے۔ عثمان اس گھر میں مریض ہوگئے۔ گھر کے افراد مخصوصاً ''ام علاء انصاری'' جو ایک ایماندار خاتون تھیں اور ان لوگوں میں سے تھیں کہ جنہوں نے ابتداہی میں رسولؐ کی بیعت کی تھی؛ عثمان ابن مظعون کی بے لوث تیمارداری کر رہی تھیں لیکن دن بدن ان کی بیماری شدید سے شدید تر ہوتی گئی اور اسی بیماری کے نتیجہ میں دنیا سے رحلت کی۔

گھر کے افراد عثمان ابن مظعون کے عظمت ایمان اور عمل کی منزلت سے واقف ہونے کے ساتھ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ واقعاً ایک سچے مسلمان تھے۔ حضرت رسولؐ خدا سے ان کی محبت وخلوص کا بھی علم رکھتے تھے۔ ہر شخص کے لئے یہ دو سندیں کافی تھیں کہ وہ گواہی دے کہ عثمان اہل بہشت سے ہیں۔ جس وقت لوگ دفن کے مقدمات فراہم کرنے

میں مشغول تھے، رسولؐ خدا تشریف لائے۔ اُم علاء نے عثمان ابن مظعون کے جنازہ کی طرف رخ کر کے کہا:

''اے عثمان خدا کی رحمت تجھ پر نازل ہو، میں اس وقت گواہی دیتی ہوں کہ خدا نے تجھے اپنی جوارِ رحمت میں داخل کرلیا۔''

جب یہ جملے اُم علاء کی زبان سے نکلے۔ تو رسولؐ خدا نے فرمایا:

''تو نے کیسے سمجھا کہ خدا نے عثمان کو اپنی جوار رحمت میں داخل کرلیا؟''

''اے رسولؐ خدا میں نے یوں ہی کہہ دیا ورنہ مجھے کیا معلوم۔''

''عثمان ابن مظعون ایسی دنیا میں چلا گیا کہ جہاں سارے پردے آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دے جاتے ہیں، بے شک میں بھی اس کے لئے خیر وسعادت کی امید رکھتا ہوں، لیکن میں تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ میں پیغمبرؐ ہوتے ہوئے بھی خود اپنے یا تم میں سے کسی کے بارے میں اس قسم کی یقینی رائے کا اظہار نہیں کرتا۔''

اُم علاء نے اس کے بعد کسی کے بارے میں اس قسم کی رائے کا اظہار نہ کیا۔ اگر کسی مرنے والے کے بارے میں اس سے پوچھا جاتا تو وہ یہی کہتی تھیں:

''صرف خدا ہی جانتا ہے کہ وہ اس وقت کس حال میں ہے۔''

جب ایک عرصہ عثمان ابن مظعون کی موت کو گذر گیا، تو اُم علاء نے اس کو خواب میں دیکھا کہ اس کے لئے ایک نہر جاری ہے۔ اپنے خواب کو حضرت رسولؐ خدا سے بیان کیا۔ آنحضرت نے فرمایا:

''اس کا عمل نہر کے مانند جاری ہے۔''[1]

---

[1] صحیح بخاری، جلد 9، ص 48 واسد الغابہ، جلد 5، ص 604

آدھی رات کی اذان

اموی دور خلافت میں اس وقت کی پوری دنیائے اسلام پر صرف قوم عرب حکومت کررہی تھی اور تمام اختیارات اسی کے ہاتھوں میں تھے، لیکن عباسی خلفاء کے زمانے میں رفتہ رفتہ ایرانیوں نے اقتدار پر قبضہ پایا اور منصب اور عہدے اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

عباسی خلفاء عرب ہونے کے باوجود اپنی قوم سے خوش نہ تھے انکی سیاست یہ تھی کہ عربوں کو دور رکھیں اور ایرانیوں کو اقتدار بخشیں، یہاں تک کہ ایران کے بعض شہروں میں عربی زبان کی اشاعت بھی روکی اور مامون کے زمانے تک یہی سیاست رہی۔ مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم مسندِ خلافت پر آیا مامون اور معتصم پدری بھائی تھے۔ مامون کی ماں ایرانی تھی اور معتصم کی ماں ترک تھی۔ اسی وجہ سے معتصم کی خلافت ان ایرانیوں کے موافق نہ تھی جو بڑے عہدوں پر تھے۔ ایرانیوں کی مرضی تھی کہ مامون کے بیٹے عباس کو خلافت ملے۔ معتصم اس بات کو سمجھ گیا تھا اور اسے یہ خطرہ تھا کہ کہیں ایرانیوں کی مدد سے میرا بھتیجا عباس خلافت کے لئے کھڑا نہ ہوجائے اور سب اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اسی سبب سے اس نے سوچا عباس کو درمیان سے ہٹادے اور ان ایرانیوں کے اثر ورسوخ کا بھی خاتمہ کرے جو عباس کے طرف دار تھے۔

اس نے عباس ابن مامون کو قید میں ڈال دیا اور وہ وہیں مرگیا۔ ایرانیوں کے اثر ورسوخ کو کم کرنے کے لیے اس نے یہ خاکہ بنایا کہ دوسری قوت کو حکومت میں لائے اور وہ ایرانیوں کے جانشین ہوجائیں۔ اسی نظریہ کے تحت بہت سے لوگ ترکستان اور ماورانہر سے جو خلیفہ کے نانیہالی تھے بغداد مرکزِ خلافت لائے گئے اور امور مملکت ان کے حوالہ کردیے ابھی زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ ترکوں نے تمام امور اپنے ہاتھ

میں سنبھال لئے اور ان کی طاقت ایرانیوں اور عربوں سے زیادہ ہوگئی۔ ترکوں پر اطمینان اور اعتماد کی وجہ سے معتصم دن بدن ان کے اختیارات میں اضافہ کررہا تھا اور اسی سبب سے بہت ہی کم وقت میں حکومت اسلامی کے اہم منصبوں پر ترک مسلط ہوئے۔ یہ تمام ترک مسلمان تھے اور عربی زبان سیکھے ہوئے تھے اسلام کے لئے وفادار تھے، لیکن اسلامی تمدن وتہذیب کے مرکز میں قدم رکھنے اور اختیارات ملنے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہونے کی وجہ سے معارف وتمدن اسلامی اور اس کے آداب سے زیادہ آشنائی نہ رکھتے تھے اور اسلامی خلق وخصلت نہ پائی تھی۔

اس کے برخلاف ایرانی پہلے سے مہذب تھے اور اسلامی اخلاق وآداب اور معارف بڑی دلچسپی سے حاصل کرچکے تھے اور اسلامی اخلاق کے حامل تھے اسی کے ساتھ خدمت اسلام میں خود پیش قدمی کرنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ جس زمانے میں تمام امور ایرانیوں کے ہاتھوں میں تھے، زیادہ تر لوگ خوش اور راضی تھے۔ لیکن جب ترک ان کی جگہ پر آئے اور انہیں اختیارات ملے تو ایسا وحشیانہ کردار پیش کیا جس نے عوام الناس کو ناراض اور غضب ناک کردیا۔ ترک سپاہی جب اپنے گھوڑوں پر سوار ہوکر بغداد کے کوچہ اور سڑکوں پر نکلتے تو اس بات سے بے پرواہوتے تھے کہ اچانک کوئی انسان ان کی سواری کی زد میں آجائے اور ایسے بہت سے اتفاق ہوئے کہ عورتیں بچے، بوڑھے اور ایسے افراد جو مجبور تھے ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہوگئے۔

لوگ اتنا زیادہ تنگ آئے کہ انہوں نے معتصم سے تقاضا کیا کہ وہ اپنا دارالحکومت بغداد کے علاوہ کہیں اور منتقل کردے اور لوگوں نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو ہم جنگ کریں گے۔ معتصم نے کہا: ''یہ لوگ کس طاقت کے سہارے ہم سے جنگ کریں گے ہمارے پاس اسی ہزار مسلح فوج ہے۔''

لوگوں نے جواب دیا:

''رات کی تاریکیوں کے سہارے، یعنی آدھی رات کو بددعائیوں سے تجھ سے جنگ کرنے آئیں گے۔''

معتصم نے اس گفتگو کے بعد لوگوں کی بات مان لی اور بغداد کے بجائے سامرا کو مرکز بنالیا۔ معتصم کے بعد واثق، متوکل منتضد اور بعض دوسرے خلفاء کے زمانے تک تمام امور ترکوں کے ہاتھوں میں تھے اور خلیفہ انہیں کے اشاروں پر چلتا تھا۔ بعض عباسی خلفاء نے ترکوں کی دست رس کم کرنے کی کوششیں کیں، لیکن ناکام رہے۔ ایک عباسی خلیفہ جس نے ان امور کی نوعیت میں کسی حد تک تبدیلی لانے میں تھوڑی بہت کامیابی حاصل کی اور ترکوں کے اثر ورسوخ کو کم کیا وہ ''المعتضد'' تھا۔

معتضد کے زمانے میں ایک بوڑھا تاجر جس کی ایک بڑی رقم ایک فوجی سردار پر باقی تھی وہ کسی صورت اس سے وصول کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا، مجبوراً اس نے ارادہ کیا کہ اس سلسلہ میں خلیفہ سے ملے، مگر جب بھی دربار خلافت کی طرف آیا خلیفہ تک پہنچنے میں ناکام رہا، اس لئے کہ خادم اور دربان اسے اندر جانے سے روک دیتے تھے۔ بے چارہ تاجر ہر طرف سے مایوس ہوگیا اور اسے کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی۔ یہاں تک کہ کسی نے اس کی راہ نمائی کی اور ''سہ شنبہ بازار میں'' ایک درزی کا پتہ بتادیا اور کہا یہ تیری مشکل آسان کرسکتا ہے۔ بوڑھا تاجر درزی کے پاس آیا اور اس درزی نے سپاہی کو حکم دیا کہ اس کا قرض ادا کردے سپاہی نے بھی بغیر کسی تامل کے رقم واپس کردی۔

اس واقعہ نے تاجر کو سخت تعجب میں ڈال دیا اور اس نے درزی سے اصرار کیا کہ بتائے ماجرا کیا ہے۔ ''یہ لوگ جو کسی کی بات نہیں مانتے وہ تیرے حکم کی اطاعت کرتے ہیں۔''

درزی نے کہا:

''ایک واقعہ ہے جسے میں تیرے سامنے دہرائے دیتا ہوں۔'' ایک دن ایک

راستہ سے گذر رہا تھا کہ ایک خوبصورت عورت بھی اسی وقت وہاں سے گذری، اتفاقاً ایک ترک افسر شراب کی مستی میں اپنے گھر سے نکلا اور دروازہ پر کھڑا لوگوں کو دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ اس کی نگاہ اس خوبصورت عورت پر پڑی اس پر نگاہ پڑتے ہی دیوانہ وار لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اس عورت کو بغل گیر کیا اور اپنے گھر کی طرف کھینچ لے گیا۔

اس عورت نے فریاد اور استغاثہ کی آواز بلند کی، اے لوگو! میری فریاد کو پہنچو، میں ایسی عورت نہیں ہوں، باعزت خاتون ہوں۔ میرے شوہر نے قسم کھائی ہے کہ اگر ایک شب بھی گھر سے باہر رہی تو مجھے طلاق دے دے گا، میرا گھر برباد ہوجائے گا، لیکن مارے خوف کے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ سامنے آتا۔ میں آگے بڑھا اس افسر سے نرم کلامی سے التماس کی کہ اس عورت کو چھوڑ دے، لیکن اس نے اپنے ہاتھوں میں لئے ڈنڈے سے میرے سر پر اتنی زور سے مارا کہ سر پھٹ گیا اور وہ اس عورت کو گھر کے اندر کھینچ لے گیا۔ میں وہاں سے ہٹا کچھ لوگ اکھٹا کئے اور سب مل کر اس افسر کے دروازہ پر پہنچے اور اس عورت کی آزادی کا تقاضا کیا، اچانک وہ اپنے نوکروں کے ساتھ گھر سے نکلا اور ان سب نے مل کر ہماری پٹائی کی اور ہم سب منتشر ہوگئے۔

میں بھی اپنے گھر آیا، لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی اس عورت کا خیال ذہن سے نہیں نکلا میں ڈرتا تھا: اگر یہ عورت صبح تک اس مرد کے پاس رہی تو اس کی پوری زندگی تباہ ہوجائے گی اور اسے پھر اپنے آشیانہ کا راستہ نہ ملے گا۔ آدھی رات تک میں اسی فکر میں رہا اچانک میرے ذہن نے ایک نقشہ کھینچا؛ میں نے اپنے آپ سے کہا آج رات یہ مست ہے اور اسے وقت کی خبر نہیں، اگر اس وقت اذان سنے گا تو سمجھے گا صبح ہوگئی اور عورت کو آزاد کردے گا، اس صورت میں عورت رات گذرنے سے پہلے اپنے گھر پلٹ سکتی ہے۔

فوراً مسجد میں آیا اور منارہ پر جاکر آواز اذان بلند کی اور ساتھ ہی ساتھ سڑکوں اور جگہوں کی طرف دیکھ رہا تھا کہ وہ عورت آزاد ہوئی یا نہیں، اچانک میں نے دیکھا کہ پیادہ

اور سوار سپاہی سڑکوں پر دوڑ رہے ہیں اور معلوم کر رہے ہے کہ کون شخص ہے جو رات کے اس حصہ میں اذان دے رہا ہے؟ میں نے سخت وحشت زدہ ہونے کی وجہ سے اپنی نشاندہی کر دی کہ میں اذان دے رہا تھا۔ ان لوگوں نے کہا جلدی نیچے اتر، تجھے خلیفہ نے طلب کیا ہے۔ مجھے خلیفہ کے پاس لے گئے۔ میں نے دیکھا خلیفہ بیٹھا ہوا میرا انتظار کر رہا ہے، مجھ سے سوال کیا تو نے اس وقت کیوں اذان دی؟ میں نے ابتداء سے آخر تک تمام ماجرا اسے سنا دیا۔ اسی وقت خلیفہ نے حکم دیا کہ افسر کو اس عورت کے ساتھ حاضر کیا جائے۔

افسر لایا گیا، خلیفہ نے تھوڑی سی باز پرس کے بعد افسر کے قتل کا حکم دے دیا اور اس عورت کو اس تاکید کے ساتھ گھر بھیج دیا کہ خلیفہ کے نزدیک عورت بے قصور ہے۔ لہٰذا شوہر اس سے کوئی مواخذہ نہ کرے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس وقت معتضد نے مجھے حکم دیا جب بھی ایسے مظالم دیکھو تو ایسے ہی عمدہ طریقہ پر عمل کرو، میں انصاف کروں گا اور یہ خبر لوگوں کے درمیان نشر ہوگئی۔

اس کے بعد سے یہ لوگ میرا پورا خیال رکھتے ہیں اور یہی سبب تھا کہ میں نے اس قرضدار افسر کو حکم دیا اور اس نے اطاعت کی۔ [1]

[1] ظہر الاسلام جلد نمبر 1، صفحہ 32-33

شوہر کی شکایت

حضرت علیؑ اپنے دور خلافت میں لوگوں کی شکایتیں خود سنتے تھے اور یہ کام کسی اور کے سپرد نہیں کیا تھا۔ شدید گرمی کے زمانے میں جب عام لوگ آدھا دن اپنے گھر آرام میں بسر کرتے تھے حضرت علی علیہ السلام دارالامارہ کی بیرونی دیوار کے سایہ میں بیٹھ جاتے تھے کہ اگر اتفاقاً کوئی فریادی آ جائے تو اپنی فریاد بلا واسطہ ان تک پہنچا سکے اور کبھی کبھی گلیوں اور سڑکوں پر نکلتے تھے، جستجو کرتے تھے اور عوام الناس کے حالات قریب سے ملاحظہ فرماتے تھے۔

ایک دن سخت گرمی میں تھکے ہوئے دارالحکومت کی طرف پلٹے: تو ایک عورت کو دروازے پر پایا، جیسے ہی عورت کی نگاہ علیؑ پر پڑی سامنے آئی اور کہا مجھے ایک شکایت ہے: میرے شوہر نے مجھ پر ظلم کیا، گھر سے نکال دیا اور اس کے علاوہ مجھے مارنے کی دھمکی دی ہے اب اگر میں گھر واپس جاؤں تو وہ مجھے مار دے گا۔ اس وقت میں مدد طلب کرنے آپ کے پاس آئی ہوں۔

''بندی خدا! اس وقت بہت گرمی ہے۔ سہ پہر تک ٹھہرو ہوا قدرے بہتر ہو جائے، تو خدا نے چاہا تو میں خود تیرے ساتھ چل کر تیری مشکل آسان کر دونگا۔

''اگر میں دیر تک گھر سے باہر رہی تو یہ ڈر ہے کہ اس کا غصہ زیادہ ہو جائے اور مزید اذیت دے۔''

علیؑ نے ایک لمحہ کے لئے سر جھکایا، پھر یہ کہتے ہوئے سر اٹھایا نہیں خدا کی قسم مظلوم کی دادخواہی میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے۔ مظلوم کا حق ظالم سے ضرور لینا چاہیے اور ظالم کا رعب مظلوم کے دل سے نکال دینا چاہیے، تاکہ ظالم کے سامنے بے خوف وہراس اپنے حق

کا مطالبہ کر سکے۔[1]

''بتا تیرا گھر کہاں ہے؟''

''فلاں جگہ''

''چلیں''، علیؑ اس عورت کے ساتھ اس کے گھر پہنچے، پس در کھڑے ہو کر بآواز بلند کہا: ''اہل خانہ سلام علیکم۔''

ایک جوان باہر آیا، جو اس عورت کا شوہر تھا۔ اس ن ے علیؑ کو نہیں پہچانا، دیکھا کہ ایک ساٹھ سالہ بوڑھا، اس کی عورت کے ساتھ آیا ہے تو یہ سمجھا کہ عورت اپنی حمایت اور سفارش کے لئے اس پیرمرد کو لائی ہے، لیکن کچھ نہیں بولا۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ خاتون تیری زوجہ ہے اور تجھ سے شکایت رکھتی ہے، کہ تو نے اس پر ظلم کیا ہے اور اسے گھر سے نکالا ہے اس کے علاوہ اسے مارنے کی دھمکی دی ہے۔ میں تجھ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ خدا سے ڈرو اور اپنی زوجہ کے ساتھ نیکی اور مہربانی کے ساتھ پیش آؤ۔''

''تجھ سے کیا مطلب کہ میں نے اسے مارنے کی دھمکی دی ہے، اپنی زوجہ کے ساتھ حسن سلوک کیا ہے یا بدسلوکی سے پیش آیا ہوں تجھ سے کیا مطلب، لیکن اب یہ تجھے جا کر لائی اور تو اس کی طرف داری کر رہا ہے تو اب میں اسے زندہ ہی آگ میں ڈال دونگا۔''

حضرت علیؑ اس جوان کی گستاخی پر غیظ میں آئے، ہاتھ قبضہ شمشیر تک آیا اور تلوار

---

[1] لا واللہ، او یؤ خذ للضعیف حقہ من القوی غیر متعتع۔ کمزور کا حق طاقت ور سے لے لینا چاہیے کہ کمزور کا دل طاقت ور کے خوف سے خالی ہو جائے۔ یہ جملہ رسول اکرمؐ کے کلام سے اقتباس ہے۔ خود امیر المومنینؑ اور دوسرے صحابہ نے رسول اکرمؐ سے نقل کیا ہے کہ آپ بار بار فرماتے تھے۔ کوئی قوم اس وقت تک قابل احترام نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس منزل پر نہ پہنچے جائے کہ کمزور کا حق طاقت ور سے دلا دے اور کمزور کی زبان قوی کے مقابل لکنت نہ کرے۔'' (کافی بات امر بہ معروف نہ از منکر، نہج البلاغہ فرمان مالک اشتر)

غلاف سے باہر کھینچی۔ اس وقت کہا: میں تجھے نصیحت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر رہا ہوں اور تو میرا جواب اس طریقہ سے دے رہا ہے، صاف صاف کہہ رہا ہے کہ میں اس عورت کو زندہ جلا دوں گا، تو نے کیا سمجھ رکھا ہے کیا دنیا میں اتنی اندھیر ہے۔''

جب علیؑ کی آواز بلند ہوئی تو ادھر سے گذرنے والے لوگ اکٹھا ہوئے جو بھی آیا اس نے علیؑ کی تعظیم کی اور ''السلام علیک یا امیر المومنینؑ'' کہا۔

یہ مغرور نوجوان اب متوجہ ہوا کہ کس شخصیت کا سامنا ہے اپنے حواس درست کیے اور التماس کرنے لگا۔ اے امیر المومنینؑ مجھے معاف کر دیں، میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ اس وقت سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس کا فرمانبردار رہوں گا یہ جو بھی کہے گی میں قبول کروں گا۔ حضرت علیؑ نے اس عورت کی طرف رخ کر کے فرمایا:

''اب اپنے گھر میں جا اور تو بھی خیال رکھ ایسا کام نہ کرنا جس سے تیرا شوہر ایسا سلوک کرنے پر مجبور ہو۔''[2]

---

[2] بحار الانوار جلد 9، چاپ تبریز صفحہ 598

گھر کے کام

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام اور جناب فاطمہؑ نے شادی کے بعد اپنی مشترک زندگی تشکیل دی اور گھر کے کاموں کی تقسیم رسول خدا کے مشورہ پر چھوڑ دی، رسولؐ خدا کی خدمت میں عرض کیا: ''اے رسولؐ خدا ہم یہ چاہتے ہیں کہ گھر کے کاموں کی تقسیم آپ کی رائے سے ہو۔''

پیغمبرؐ خدا نے باہری کام کے لئے علیؑ اور گھر کے کاموں کے لئے جناب فاطمہؑ کا انتخاب کیا۔ علیؑ و فاطمہؑ اس لحاظ سے کہ اپنی داخلی زندگی کے امور پیغمبرؐ خدا کے سپرد کیے اور پیغمبرؐ نے مہربانی اور محبت سے ان کی درخواست قبول فرمائی اور رائے دی دونوں خوش وخرم تھے۔ خاص طور سے جناب فاطمہؑ خوش تھیں کہ رسولؐ نے باہر کے کاموں سے مجھے دور رکھا بہت ہی خوشی کا اظہار فرماتی تھیں اور کہتی تھیں:

''مجھے سارے زمانے کی خوشی مل گئی جو رسولؐ خدا نے مجھے مردوں سے سروکار رکھنے سے بچالیا۔'' اس تاریخ سے باہر کے کام کھانا پانی ایندھن اور بازار کی خریداری علیؑ انجام دیتے تھے اور گھر کے داخلی کام (ہاتھ کی چکی سے آٹا پیسنا روٹی لگانا دُھلائی اور گھر کی صفائی) جناب فاطمہؑ کے ہاتھوں انجام پاتے تھے۔ اس کے علاوہ علیؑ جب بھی فرصت پاتے تھے گھر کے کاموں میں جناب فاطمہؑ کی مدد فرماتے تھے۔ ایک دن پیغمبرؐ ان کے گھر تشریف لائے تو دیکھا علیؑ و فاطمہؑ دونوں مل کر کام کر رہے ہیں۔

تو آپؐ نے سوال کیا تم دونوں میں کون زیادہ تھکا ہوا ہے میں اس کی جگہ کام کروں، علیؑ نے عرض کیا: ''اے رسولؐ خدا فاطمہ تھکی ہوئی ہیں۔ رسولؐ خدا نے جناب فاطمہ کو آرام کا موقع دیا اور خود ان کی جگہ کام کرنے لگے۔ دوسری طرف جب بھی علیؑ جہاد کے لئے اور مسافرت پر تشریف لے جاتے تو جناب فاطمہؑ باہر کے کام بھی انجام دیتی تھیں۔

اسی طرح سلسلہ چلتا رہا، علیؑ و فاطمہؑ گھر کا کام خود ہی انجام دیتے اور کسی خدمت گار کی ضرورت نہیں محسوس کرتے تھے، یہاں تک کہ صاحب اولاد ہوگئے اور بچوں نے معمولی سے گھر میں جو نہایت بارونق اور پاکیزہ تھا آنکھ کھولی اور اب گھر کے کاموں میں اضافہ ہوگیا اور جناب فاطمہؑ کی زحمتیں بڑھ گئیں۔ ایک دن علی علیہ السلام نے اپنی زوجہ کی حالت دیکھی کہ گھر کے کاموں میں آپ کا لباس گردآلود ہو چکا ہے اس کے علاوہ آٹا پیسنے کی چکی چلانے کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں میں چھالے پڑ چکے ہیں پانی کی مشک جو کبھی کبھی دوش پر اٹھا کر دور سے لاتی تھیں اس کے بندھنوں نے جسم پر نشان ڈال دیا ہے۔ تو بہت غمزدہ ہوئے اور جناب فاطمہؑ کو مشورہ دیا کہ پیغمبرؐ کی خدمت میں جا کر اپنے کاموں میں مدد کے لئے ایک خدمت گار کی درخواست کرو۔

جناب فاطمہؑ نے مشورہ قبول کیا اور رسول اکرمؐ کے گھر تشریف لائیں۔ اتفاقاً اس وقت رسول اکرمؐ کی خدمت میں کچھ لوگ محوِ گفتگو تھے۔ جناب فاطمہؑ کو شرم محسوس ہوئی کہ ان لوگوں کے سامنے پیغمبرؐ سے اپنی ضرورت بیان کریں۔ گھر واپس آگئیں۔ رسول اکرمؐ جناب فاطمہؑ کے آنے اور جانے کی طرف متوجہ ہوئے اور سمجھ گئے جناب فاطمہؑ کسی کام سے آئی تھیں وقت مناسب نہ دیکھا تو واپس چلی گئیں۔

دوسرے دن صبح رسول اکرمؐ جناب فاطمہؑ کے گھر آئے، اتفاقاً علیؑ و فاطمہؑ دونوں آرام کر رہے تھے اور چہروں کو ڈھکے ہوئے تھے۔ رسولؐ خدا نے کمرہ کے باہر سے بآواز بلند کہا:

''السلام علیکم''

علیؑ و فاطمہؑ نے شرم کی وجہ سے جواب نہ دیا۔

دوبارہ کہا: ''السلام علیکم'' پھر بھی خاموش رہے۔

تیسری دفعہ فرمایا: ''السلام علیکم''

رسول اکرمؐ کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کسی کے گھر تشریف لے جاتے، گھر یا کمرہ کے باہر سے باآواز بلند سلام کرتے، اگر جواب ملتا تو اندر آنے کی اجازت چاہتے اور اگر جواب نہ ملتا تو تین مرتبہ سلام کی تکرار کرتے، پھر بھی جواب نہ ملتا تو واپس چلے جاتے تھے، علیؑ نے دیکھا کہ اگر اس دفعہ بھی پیغمبرؐ کا جواب نہ دیا تو پیغمبرؐ واپس چلے جائیں گے اور وہ ان کی زیارت سے محروم رہیں گے، یہ سوچ کر باآواز بلند فرمایا:

''وعلیک السلام یا رسول اللہ، تشریف لائیں''

پیغمبرؐ کمرہ میں داخل ہوئے اور سرہانے بیٹھ گئے۔ جناب فاطمہؑ سے فرمایا:

''تم کل میرے پاس آئی تھیں پھر واپس ہو گئیں، یقیناً تمہیں کوئی کام تھا، بیان کرو۔''

حضرت علیؑ نے عرض کیا: اگر اجازت ہو تو میں بیان کروں کہ فاطمہؑ کس کام کے لئے گئی تھیں میں نے زہراؑ کو آپ کے پاس بھیجا تھا، سبب یہ تھا کہ میں نے دیکھا اب گھر کے داخلی کام بڑھ گئے ہیں اور فاطمہ کے لئے بہت زحمت ہے میں نے دیکھا کہ گھر کے کاموں میں لباس گرد آلود ہے ہاتھ میں چکی کے سبب چھالے ہیں، مشک کی گرہ نے جسم فاطمہؑ پر اپنا اثر چھوڑا ہے، تو میرا دل مغموم ہوا اور میں نے کہا رسول اکرمؐ کے پاس جاؤ تا کہ ایک خدمت گذار معین فرمادیں جو آپ کے کاموں میں مددگار ہو سکے۔''

رسول اکرمؐ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی یا ان کے کسی عزیز کی زندگی امت کے ان فقراء سے بلند ہو، جن کے وسائل کم ہیں۔ اس لئے کہ ان ایام میں مدینہ فقر و فاقہ کی حالت میں تھا۔ خصوصاً مہاجرین کے وہ غریب افراد جو بہت تنگ دستی کی زندگی گذار رہے تھے۔ ادھر پیغمبر اکرمؐ اپنی بیٹی کی معرفت رکھتے تھے انہیں معلوم تھا کہ فاطمہؑ عبادت وروحانیت کی شیدائی اور انہیں ذکر خدا سے کتنی خوشی اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے فرمایا:

''تمہیں پسند ہے کہ میں ایسی چیز بتا دوں جو ان سب سے بہتر ہو؟''

''فرمائیں، خدا کے رسولؐ۔''

''جب بھی سونے کا ارادہ کرو چونتیس مرتبہ اللہ اکبر، تینتیس مرتبہ الحمدللہ، تینتیس مرتبہ سبحان اللہ پڑھنا نہ بھولنا۔ یہ عمل تمہاری روح کو وہ اثر بخشے گا جو زندگی کے لئے ایک خدمت گار کے اثر سے زیادہ ہوگا۔''

جناب فاطمہؑ نے ابھی ایک سر سے رومال نہیں ہٹایا تھا، اب سر سے رومال ہٹایا اور خوشی ومسرت کی حالت میں تین مرتبہ فرمایا:

''جس چیز سے خدا اور رسولؐ خوش ہوں میں بھی اسی سے خوش ہوں۔''[1]

[1] بحار الانوار، جلد 10، صفحہ 34 تا 35

حضرت حجتؑ کی فریادرسی

جناب شیخ محمد انصاری جو ایک شیعہ متقی و پرہیزگار عالم تھا فرماتے ہیں۔

کہ میں زیارت کے واسطے کربلا گیا تھا۔ پھر اسی سفر میں سامرہ چلا گیا وہاں جب میں نے سرداب مقدس میں حاضری دینے کا ارادہ کیا تو مغرب کا وقت گزر چکا تھا اور میں نے ابھی نماز مغرب ادا نہیں کی تھی۔ سرداب کے دروازے سے متصل جو مسجد ہے میں نے دیکھا کہ اس میں جماعت ہو رہی ہے لیکن مجھے معلوم نہیں تھا یہ مسجد سنیوں کے تصرف میں ہے اور یہ لوگ نماز عشاء میں مشغول ہیں۔ پس میں اپنے بیٹے کے ساتھ مسجد کے برآمد میں پہنچا اور اس کے ایک گوشے میں تربت امام حسین علیہ السلام کی سجدہ گاہ رکھ کر نماز میں مشغول ہوگیا۔ جب جماعت ختم ہوئی تو لوگ سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے غیظ وغضب کے ساتھ دیکھ رہے تھے اور برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اب مجھ اشتباہ ہوا کہ میں نے تقیہ نہیں کیا جب سب لوگ چلے گئے تو برآمدے کی ساری روشنیاں گل کر دی اور دروازہ باہر سے بند کر دیا اور میں ہر چند استغاثہ وفریاد کی میں مسافر اور زائر ہوں لیکن انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی اور نہ کوئی بات سنی اس وقت مجھ پر اور میرے بیٹے پر ایک عجیب وحشت طاری ہوگئی اور ہم کہہ رہے تھے یہ لوگ ہمیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔

پس ہم لوگ گریہ وزاری کرتے ہوئے اضطرار کے عالم میں حضرت حجت عجل اللہ فرجہ سے متوسل ہوئے اور ان حضرت کے وسیلے سے اپنے پروردگار کے بارگاہ میں نجات کے طالب ہوئے۔ ناگاہ میرے فرزند جو دیوار کے قریب کھڑا رو رہا تھا کہا بابا جان آیئے راستہ پیدا ہوگیا ہے اور دروازے کے قریب دیوار کے اندر جو ستون ہے وہ اوپر اٹھ گیا ہے میں نے دیکھا تو واقعتاً وہ ستون دو تین بالشت زمین سے اس طرح بلند ہوگیا تھا کہ اس کے نیچے سے بہ آسانی گزرا جا سکتا تھا۔ جب ہم دونوں اس کے نیچے نکل کر باہر آ گئے تو وہ اپنے

سابقہ حالت میں واپس ہوگیا۔ اور راستہ بند ہوگیا میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ صبح کو آ کے وہ مقام دیکھا تو ستون کی جنبش کا کوئی اثر اور نشان نظر نہیں آیا اور دیوار میں سوئی کے نوک کے برابر بھی کوئی شگاف موجود نہیں تھا۔

جنات کی وادی

(10) شیخ مفید، طبرسی اور باقی محدثین نے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب جنگ بنی مصطلق کیلئے جا رہے تھے تو آپؐ نے ایک ناہموار وادی کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ رات کے آخری حصہ میں جبرئیلؑ نازل ہوئے اور اطلاع دی کہ کفار جن کا ایک گروہ اس وادی میں رہتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ آپؐ کے اصحاب کو تکلیف پہنچائیں اور جب جنات میں سے خدا کے دشمن تمہارا تعرض کریں تو انہیں اس قوت وطاقت سے دفع کرو جو خدا نے تمہیں عطا کی ہے اور اپنا حصار کرلو خدا کے ان بزرگ ناموں کے ساتھ کہ جن سے اس نے تمہیں مخصوص کیا ہے صحابہ میں سے سو آدمی آپؐ کے ہمراہ روانہ کیے اور فرمایا علیؑ کے ساتھ رہو جو تمہیں حکم دیں اس کی اطاعت کرو۔ پس حضرت امیر المومنینؑ اس وادی کی طرف متوجہ ہوئے اور جب وادی کے قریب پہنچے تو صحابہ سے فرمایا تم یہیں ٹھہرو اور جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں یہاں سے حرکت نہ کرنا اور خود آگے بڑھے اور دشمنان خدا کے شر سے خدا کی پناہ مانگی اور خدا کے بہترین ناموں کا ورد کیا اور صحابہ کو اشارہ کیا کہ نزدیک آجاؤ۔ جب وہ آئے تو انہیں وہیں کھڑا کر دیا اور خود وادی میں داخل ہوئے۔ پس سخت آندھی آئی۔ قریب تھا کہ لشکر منہ کے بل گر پڑے اور خوف کے مارے ان کے قدم لرزنے لگے۔ پس حضرتؑ نے بلند آواز سے فرمایا میں ہوں علی بن طالب وصی رسول ﷺ اور آپؐ کے چچازاد بھائی اگر چاہو اور تم میں طاقت ہے تو میرے سامنے آؤ۔ پس زنگیوں کی صورتیں ظاہر ہوئیں اور ان کے ہاتھوں میں آگ کے شعلے تھے اور وادی کے اطراف پر ہو گئے اور حضرتؑ آگے بڑھ رہے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور تلوار کو دائیں بائیں حرکت دیتے تھے۔ جب آپؑ ان کے قریب گئے تو وہ سیاہ دھواں بن کر بلند ہوئے اور غائب ہو گئے۔ پس حضرتؑ نے اللہ اکبر کہا اور وادی سے باہر آ گئے اور

لشکر کے پاس کھڑے ہو گئے۔ جب ان کے آثار ختم ہوئے تو صحابہ نے کہا اے امیر المومنینؑ آپ نے دیکھا ہم تو قریب تھے کہ ڈر کے مارے مر جائیں اور آپ کے متعلق بھی ہمیں خوف تھا۔ حضرتؑ نے فرمایا جب وہ ظاہر ہوئے تو میں نے نعرہ تکبیر کی آواز بلند کی تو وہ کمزور ہو گئے اور میں نے ان کا رخ کیا اور ان کی پرواہ نہیں کی اور اگر وہ اپنی ہیت پر باقی رہتے تو میں سب کو ہلاک کر دیتا۔ پس خدا نے ان کی شر سے مسلمانوں کی حفاظت کی ہے اور ان میں سے جو بچ گئے ہیں وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے ہیں تا کہ آپؐ پر ایمان لے آئیں اور امان حاصل کریں اور جب امیر المومنینؑ اصحاب کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور واقعہ بیان کیا تو حضرتؐ خوش ہوئے اور جناب امیرؑ کیلئے دعا خیر فرمائی اور فرمایا تم سے پہلے وہ آئے تھے جنہیں خدا نے تم سے ڈرایا تھا اور وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور میں نے ان کا اسلام قبول کیا ہے۔ (احتجاج طبرسی مناقب ابن شہر آشوب۔ حدیقۃ المعاجز۔ احسن المقال)

لاش حسینؑ پامال کرنے والے کا زندہ جل جانا

سدی سے معالی السبطین میں مروی ہے کہ ایک رات ایک شخص میرا مہمان ہوا۔ میں نے اسے مرحبا کہا باتیں بڑی اچھی اور روانی سے کرتا تھا رات کے کافی وقت ہم اپنی باتوں میں مصروف رہے باتوں باتوں میں کربلا کے واقعہ کا تذکرہ آیا وہ اس انداز میں واقعہ کربلا بیان کرنے لگا جسے سن کر میرے آنسو بہنے لگے۔اس نے کہا کیا بات ہے کہ تو رو رہا ہے؟ میں نے کہا تو نے ایسی مصیبت کا ذکر چھیڑ دیا ہے جس کے مقابلے میں ہر مصیبت کم معلوم ہوتی ہے۔ اس نے کہا کیا تو میدان کربلا میں تھا؟ میں نے کہا الحمدللہ میں نہیں تھا۔اس نے کہا حیرت ہے تو واقعہ کربلا میں شریک نہ ہونے پر حمد خدا کر رہا ہے۔ آخر کس بات پر حمد کر رہا ہے؟ میں نے کہا اس بات پر حمد کر رہا ہوں کہ میرے ہاتھ خون حسینؑ سے سرخ نہیں ہیں۔ کیونکہ رسول اسلامؐ کا فرمان ہے کہ جس سے قیامت کے دن خون حسینؑ کا مطالبہ کیا گیا تو اس کے باقی اعمال میزان میں رکھے ہی نہ جائیں گے۔ آنحضورؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا حسینؑ بیٹا مظلوم شہید ہوگا۔ میرے حسینؑ کے قتل میں شریک ہر شخص جہنم میں داخل ہوگا، میرے حسینؑ کے قتل میں شریک افراد کے ہاتھ شل ہو جائیں گے، ان کے پاؤں میں بیڑیاں ہوں گی۔ جب بھی ایک چمڑا جل جائے گا دوسرا چمڑا تبدیل کر دیا جائے گا، وہ عذاب الیم میں ہوں گے۔ دنیا میں ان کی عمر کوتاہ ہوگی۔اس نے کہا میرے دوست یہ پرانی باتیں ہیں اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ میں نے کہا یہ بالکل سچ ہے۔اس نے کہا یہ بھی سچ ہے کہ قاتل حسینؑ کی عمر کوتاہ ہوگی؟ میں نے کہا یہ بھی حقیقت ہے۔اس نے کہا کاش تجھے معلوم ہوتا کہ میں کون ہوں؟ اس وقت میری عمر نوے سال ہے۔ میں وہ اخنس ابن قیس ہوں جو شہسواروں کے دستے کا سردار تھا، جنہیں عمر سعد نے لاش حسینؑ پامال کرنے کا حکم دیا تھا، میں نے فرزند رسولؐ کی پسلیاں پامال کر دی تھیں اور میں نے ہی حسینؑ کے بیمار بیٹے

کے نیچے سے بستر کھینچا تھا اور وہ بیمار اوندھے منہ فرش پر گر گیا تھا، میں نے سکینہ بنت حسینؑ کے کانوں سے گوشوارے اتارے تھے کہ اس کے کانوں سے خون بہنے لگا تھا۔ یہ سن کر میرا دل تڑپتا رہا اور میں زور زور سے روتا رہا۔ میں نے کہا تعجب ہے کہ ذریت حسنؑ کا قاتل میرے گھر میں مہمان ہے اور قتل حسین کی روداد فخر سے بیان کر رہا ہے۔ جیسے بھی ہو اس خبیث کو قتل کرنا چاہیے۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ چراغ کی روشنی دھیمی ہونے لگی، میں اس درست کرنے کیلئے اٹھا۔اس نے کہا آپ بیٹھ جائیں میں اسے درست کر دیتا ہوں۔اس نے انگلی سے لو کو بلند کرنا چاہا، انگلی کو آگ لگ گئی، وہ بجھانے کی کوششیں کرتے رہے مگر آگ زور پکڑتی گئی، جب پانی ڈالا گیا تو شعلے اور زیادہ ہو گئے۔ آخر میں، میں نے اس سے کہا نہر میں جا کر کود جاؤ۔ اس نے نہر میں چھلانگ لگا دی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے نہر میں پانی نہیں تیل تھا۔ پانی کے جس حصے میں وہ تھا وہ تمام جلنے لگا آخر وہ ملعون سیاہ کوئلہ بن کر بے موت مر گیا اور میں نے حمد خدا کی۔

از ناظم زادہ قمی

اقتباس مقدمہ تجلیات حکمت

حضرت علی علیہ السلام کا پر معنی کلام درحقیقت اس قیمتی خزانے کی طرح ہے جو انسانی تہذیب وثقافت کے ماتھے پر گوہر آبدار کی طرح درخشاں ہے۔ یہ عظیم میراث سخن سنجوں کی نگاہ میں ایسا کلام ہے جو، کلام خالق کے بعد کلام مخلوق میں سب سے بلند مرتبے کا حامل ہے۔

یہ کلمات اس عظیم وبزرگ شخص کی زبان اور ذہن کی گوہر افشانیاں ہیں جو ایک بلند وبالا پہاڑ کی طرح ہے جس کی چوٹی سے (علم وحکمت کا) سیلاب بہہ رہا ہو اور جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا[1] (۱) وہی جو یعسوب کلام ہے، وہ جس کے عظیم خاندان سے کلام کے درخت کی جڑیں ملی ہیں اور جن کے سروں پر اس کی شاخوں کا سایہ ہے[2] (۲) ایسا رہنما جو سید رضی کے جملوں میں ''فصاحت کا آبشار وبلاغت کی اصل اور جڑ ہے۔ بلاغت کے مخفی اسرار اس کے ذریعے ظاہر ہوئے اور اس کے تمام قوانین اسی کی دین ہیں۔ تمام بولنے والے، خطیب اسی کا اتباع کرتے ہیں اور ہر واعظ اسی کی باتوں سے مدد مانگتا ہے اس کے باوجود کوئی بھی اس کے کلام کی بلندیوں کو درک نہ کر پایا بلکہ لوگ اس سے کافی پیچھے رہ گئے کیونکہ اس کا کلام تو خدائے وحدہ کے لازوال کلام کی ایک علامت ہے اور اس کے کلام میں خوشبوئے نبوت رچی بسی ہے۔''[3] (۳) یا پھر ابن ابی الحدید کے بقول ''حکمت نظری سے متعلق حضرت علیؑ کے اقوال، افلاطون وارسطو کے اقوال سے کہیں زیادہ بلند پایہ، حکمت

[1] نہج البلاغہ خطبہ 3۔

[2] خطبہ نمبر 233۔

[3] سید رضی مقدمہ نہج البلاغہ۔

عملی میں سقراط کے کلام سے زیادہ عمیق اور فصاحت میں ابن وائل وقیس بن ساعدہ کے کلام سے زیادہ فصیح ہیں۔[4] چونکہ یہ باتیں ایسے ذہن کے چشمے سے نکلی ہیں جس کے سوتے حکمت متعالیہ سے پھوٹے ہیں اور جس کی تربیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہے۔ لہٰذا یہ کلمات لطافت کے لحاظ سے بہار کی اس شبنم کی طرح ہیں جو دلوں کو جلا بخشتی ہے اور روحوں کو بالیدہ کر دیتی ہے مگر سختی وصلابت میں یہ کلمات اس چٹان کی مانند ہیں جو زبردست ومنہ زور آندھیوں کا زور توڑ دیتی ہے اور فصاحت میں آپ کے کلام کا آہنگ، کوہستانوں میں نغمہ ریز آبشاروں کے سحر انگیز مزموں کی طرح انسان کے احساسات کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔''

[4] ابن ابی الحدید ج 4 محمد بن ابوبکر کی شہادت کے بعد ابن عباس کو لکھے گئے ایک خط کی وضاحت کے دوران۔

اخلاق

1۔خوش اخلاقی بہترین حسب ہے۔

2۔جس کا اخلاق تنگ (اور برا) ہوجاتا ہے اس سے اس کے گھر والے بھی اکتا جاتے ہیں۔

3۔اخلاق کی خرابی احمقوں کی معاشرت میں اور اخلاق کی اصلاح دانشوروں کی معاشرت میں ہے۔

4۔دس خصلتیں اخلاقی خوبیوں میں شمار ہوتی ہیں: سخاوت وحیاوصدق وامانت داری وتواضع وغیرت وشجاعت وبردباری وصبروشکر۔

5۔عوام وہ آئینہ ہیں جس میں انسان اپنے اخلاق کو دیکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی خوبیوں کو اپنے دوستوں کے ذریعہ اور اپنی برائیوں کو اپنے دشمنوں کے ذریعہ دیکھتا ہے۔

اخلاص

1۔جس کا ظاہر وباطن،قول وفعل الگ الگ نہ ہو اس نے امانت ادا کردی اور وہ عبادت میں بااخلاص رہا۔

2۔اخلاص ایمان کا بلندترین مقام ہے۔

3۔عمل میں اخلاص،یقین کی قوت اور نیت کی درستگی سے پیدا ہوتا ہے۔

4۔اخلاص عبادت کی کسوٹی ہے۔

5۔اخلاص مقربین (خدا) کی عبادت ہے۔

امانت

1۔جس کے ظاہر وباطن اور قول وفعل میں اختلاف نہ ہو تو (گویا) اس نے امانت داری کا لحاظ رکھا اور عبادت میں اخلاص پیدا کرلیا۔

2۔احسان کا بدلہ ادائے امانت کے زمرے میں شامل ہے کیونکہ کسی کا تمہارے اوپر احسان بھی تمہارے پاس (گویا) اس کی امانت ہے۔

3۔جس نے امانت داری سے کام لیا اس نے دیانت داری کا حق ادا کردیا۔

ادب

1۔بہترین ادب یہ ہے کہ انسان اپنی حد میں رہے اور اپنی مقدار سے تجاوز نہ کرے۔

2۔ادب عقل کا چہرہ ہے لہٰذا جیسے چاہو اپنی عقل کو بہتر بناؤ۔

3۔ہر شے عقل کی محتاج ہے اور عقل ادب کی۔

4۔ادب نسب کی خرابیوں کو چھپا دیتا ہے۔

5۔ادب سے ذہانت جلاء پاتی ہے۔

زبان

1۔اجر زبان سے کہنے اور ہاتھ سے عمل بجالانے میں ہے۔

2۔پست ترین علم وہ ہے جو زبان پر ہی رہے اور بلند ترین علم وہ ہے جو اعضاء وجوارح سے ظاہر ہو۔

3۔آدمی اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہے۔

4۔زبان ایسا درندہ ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو چبا جائے گا۔

5۔زبان ایک ایسا ترازو ہے جس کے پلڑے کو عقل بھاری کرتی ہے اور جہالت ہلکا کر دیتی ہے۔

عبرت

1۔مومن دنیا کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، اس دنیا سے صرف ضرورت بھر غذا حاصل کرتا ہے اور (اس دنیا کے دلربا آہنگوں کو) تنفر وغضبناک ہو کر سنتا ہے۔

2۔عبرت حاصل کرنا بہترین دانش مندی ہے اور سب سے افضل دوراندیشی پشت پناہ کا انتظام، اور سب سے بڑی حماقت فریب خوری ہے۔

3۔زمانہ کے نشیب وفراز میں عبرتیں ہیں۔

4۔جو زیادہ عبرت حاصل کریگا اس کی ہلاکت کے امکانات کم ہو جائیں گے۔

حماقت

1۔عالم کی زبان اس کے دل کے پیچھے اور احمق کا دل اس کی زبان کے پیچھے ہوتا ہے۔

2۔عاقل دشمن، احمق دوست سے بہتر ہے۔

3۔سب سے بڑا احمق وہ ہے جو اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقل مند گمان کرے۔

4۔احمق ترین آدمی وہ ہے جو کسی دوسرے میں موجود، کسی برائی سے اظہار نفرت کرے مگر خود اسے انجام دے۔

5۔آدمی کی حماقت تین چیزوں سے پہچانی جاتی ہے۔ایسی باتیں کرنا جو اس کے مطلب کی نہ ہوں، ایسی باتوں کا جواب دینا جو اس سے نہ پوچھی گئی ہوں اور ہر (طرح کے) کام میں بلا جھجک کود پڑنا۔

جہالت

1۔بہت سے عالم ہیں جنہیں ان کی جہالت نے مارڈالا جبکہ ان کا علم ان کے ساتھ تھا مگر وہ انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکا۔

2۔بلاشبہ کفران نعمت (موجب) ملامت اور جاہل کی ہم نشینی (باعث) بدبختی ہے۔

3۔جاہل چھ خصلتوں کے ذریعے پہچانا جاتا ہے، بلاسبب غصہ، بلا فائدہ بولنا بغیر حق کے انعام دینا، دوست و دشمن کو نہ پہچاننا، افشائے راز اور ہر ایک پر بھروسہ کر لینا۔

4۔سب سے بڑی جہالت انسان کا خود اپنے بارے میں انجان رہنا ہے۔

5۔جاہل اپنی غلطی سے ناواقف رہتا ہے اور نصیحت قبول نہیں کرتا۔

جھوٹ

1۔ایمان کی نشانی یہ ہے کہ تم اپنے لئے فائدہ مند جھوٹ پر اپنے لئے نقصان دہ سچ کو ترجیح دو اور یہ کہ تمہاری باتوں میں کوئی چیز تمہارے کام سے زیادہ نہ ہو اور یہ کہ تم دوسروں کے بارے میں بات کرتے وقت اللہ سے ڈرتے رہو۔

2۔حد درجہ جھوٹے کو بھائی نہ بناؤ کیونکہ اس کے ساتھ تمہاری زندگی بے فائدہ رہے گی۔وہ تمہاری بات نقل کرے گا اور تمہیں دوسری باتیں بھی بتائے گا بھلے ہی وہ اس وقت سچ بولے گا مگر اس کی کوئی تصدیق نہیں کرے گا۔

3۔اللہ کے نزدیک سب سے عظیم خطا جھوٹی زبان ہے۔

4۔جھوٹ دنیا میں ننگ اور آخرت میں عذاب جہنم ہے۔

5۔تمہاری جھوٹ پر سرزنش کرنے کے لئے بس یہی کافی ہے کہ تم جانتے ہو کہ تم جھوٹے ہو۔

عیب

1۔سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ تم ان باتوں کو دوسروں کے لئے عیب قرار دو جو تم میں خود موجود ہوں۔

2۔جو عیب جوئی کرے گا اس کی عیب جوئی کی جائے گی اور جو گالی دے گا وہ گالی کھائے گا۔

3۔لوگوں میں سب سے زیادہ عاقل وہ ہے جو اپنے عیبوں پر نظر رکھے اور دوسروں کے عیوب کو نہ دیکھے۔

4۔جو لوگوں کے چھپے عیبوں کی جستجو میں رہتا ہے اللہ لوگوں کی محبت اور دوستی اس پر حرام کر دیتا ہے۔

5۔جو تمہارے عیبوں کو تمہارے لئے آشکار کر دے وہی تمہارا سچا دوست ہے۔

غیبت

1۔عاقل وہ ہے جو اپنی زبان کو غیبت سے محفوظ رکھے۔

2۔غیبت سننے والا غیبت کرنے والوں میں محسوب ہوتا ہے۔

3۔غیبت دوزخ کے کتوں کی خوراک ہے۔

4۔تم پر واجب ہے کہ غیبت سے پرہیز کرو کیونکہ غیبت لوگوں کو تمہاری دشمنی پر آمادہ کرتی ہے اور تمہارے اجر کو برباد کر دیتی ہے۔

5۔ اپنے نفس کو غیبت کا عادی مت بناؤ اس لئے کہ غیبت کا عادی عظیم گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے۔

ریاکاری

1۔عمل بغیر کسی ریاکاری اور دکھاوے کے انجام دو کیونکہ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے عمل کرتا ہے تو اللہ اسے اسی کے سہارے چھوڑ دیتا ہے۔

2۔جان لو کہ تھوڑی سی بھی ریاکاری شرک ہے۔

3۔ریاکار کا ظاہر خوبصورت اور باطن بیمار ہوتا ہے۔

4۔عبادت کی مصیبت ریاکاری ہے۔

5۔ریاکار کی زبان بڑی پیاری ہوتی ہے مگر اس کے دل میں بیماری گھسی رہتی ہے۔

خیانت

یقیناً سب سے عظیم خیانت امت کے ساتھ خیانت کرنا اور سب سے بڑا دھوکا رہبروں کا دھوکا ہوتا ہے۔

2۔خیانت تقویٰ کی کمی اور بے دینی کی دلیل ہے۔

3۔کتنی بری بات ہے پیمان وعہد کے بعد ترک تعلقات، بھائی چارگی کے بعد جفائیں، محبت کے بعد عداوت، امانت رکھوانے والے سے خیانت اور اس شخص سے غداری جس نے خود کو تمہارے سپرد کر دیا ہو۔

4۔خائن وہ ہے جو خود کو چھوڑ کر دوسروں میں مشغول رہے اور اس کا آج گذشتہ کل سے بدتر ہو۔

5۔خائن کی گواہی میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

دھوکا

1۔ کامیاب اور خوش بخت ہے وہ جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بد بخت وہ ہے جو اپنی خواہشات اور اس کی فریب کاریوں سے دھوکا کھا جائے۔

2۔ دنیا سے بچو کیونکہ یہ نہایت غدار فریب کار اور دھوکے باز ہے۔

3۔ دھوکا دھڑی سے کام نہ لو کیونکہ یہ ایک مذموم عادت ہے۔

4۔ اللہ اللہ یہ تعصب انگیز تکبر اور جاہلیت کا فخر بلاشبہ یہ وہی کینہ و برائی کی پرورش گاہ اور شیطانی وسواس کی آماجگاہ ہے جس نے گذشتہ امتوں اور خالی صدیوں کو دھوکا دیا تھا۔

تفرقہ

1۔ اے لوگو! امت کے بڑے حصے کے پابند رہو بلاشبہ اللہ کی حمایت، جماعت کے ساتھ ہے، تفرقہ سے دور رہو کیونکہ لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والا شیطان کے لئے اسی طرح ہوتا ہے جیسے گلے سے الگ ہو جانے والی بھیڑ، بھیڑئے کے لئے ہوا کرتی ہے۔

2۔ شیطان ہمارے مستحکم اجتماعات میں تفرقہ ڈال دیتا ہے اور تفرقہ کے ذریعہ فتنہ وفساد پیدا کر دیتا ہے۔

3۔ تفرقہ اہل باطل کا شیوہ ہے بھلے ہی وہ کتنے ہی زیادہ ہوں اور اتحاد ہماہنگی اہل حق کا طریقہ ہے اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہوں۔

باطن

1۔ جو اپنا باطن درست کر لیتا ہے اللہ اس کا ظاہر اچھا کر دیتا ہے۔

2۔ خوش بختی ہے اس شخص کے لئے جو اپنے آپ کو کمتر سمجھے، جس کا ذریعہ معاش

پاکیزہ، باطن صاف اور اخلاق اچھا ہو۔

3۔ تم سب اللہ کے دین کے اعتبار سے بھائی بھائی ہو تم میں صرف بد باطنی اور بری نیتیں ہی اختلاف پیدا کرتی ہیں۔

برائی

1۔ ایک ایسی برائی جو تمہیں بری لگے اللہ کے نزدیک اس نیکی سے بہتر ہے جو تمہیں عجب (خود پسندی) میں مبتلا کر دے۔

2۔ برائیوں سے بچنا نیکیوں کے حصول سے بہتر ہے۔

3۔ بدترین آدمی وہ ہے جسے یہ پرواہ نہ ہو کہ لوگ اسے گنہ کار دیکھ رہے ہیں۔

4۔ وہ نعمت جس کا شکر ادا نہ کیا گیا ہو اس برائی کی طرح ہے جو کبھی بخشی نہیں جاتی۔

شبہ

1۔ (گمراہ لوگ) شبہات کے اندھیروں میں عمل کرتے ہیں اور شہوتوں میں آگے بڑھتے رہتے ہیں۔

2۔ شبہ کے وقت توقف سے بڑھ کر کوئی تقویٰ نہیں ہے۔

3۔ اپنے ذہنوں کو شبہات سے پاک رکھو اور اپنے نفوس کو ہلاکت خیز شک کی جگہوں سے دور رکھو۔

شک

1۔شک چار چیزوں پر استوار ہے۔کٹ حجتی،خوف،کشمکش اور خود باختگی لہٰذا جو بھی (بحث کے وقت) کٹ حجتی کو اپنی روش قرار دے گا اس کی شب تاریک کی کبھی صبح نہیں ہوگی اور وہ اپنے سامنے کی چیزوں سے خوف زدہ رہے گا وہ اپنے ماضی کی طرف پلٹ جائے گا اور جو کشمکش میں رہے گا وہ شیطانوں کے پیروں تلے روندا جائے گا اور وہ جو دنیا اور آخرت میں ہلاک کر دینے والی چیزوں سے ہراساں رہے گا وہ دونوں میں ہلاک ہوگا۔

2۔جس کو کسی بات کا یقین ہو اور پھر اسے شک لاحق ہو جائے تو اسے اپنے یقین پر عمل کرنا چاہیے کیونکہ یقین شک کے ذریعے ختم نہیں ہوتا۔

3۔شک یقین کو فاسد اور دین کو برباد کر دیتا ہے۔

4۔سب سے زیادہ علم والا وہ ہے جس کے یقین میں شک کی وجہ سے لغزش نہ پیدا ہوئی ہو۔

گمان

1۔کسی ایسی بات میں سوءظن نہ کرو جو کسی نے غلط کہا ہو مگر تم اس کے لئے کوئی اچھا احتمال پاتے رہے ہو۔

2۔تم پر بدگمانی ہرگز غالب نہ آنے پائے کیونکہ یہ تمہارے اور تمہارے دوست کے درمیان کبھی صلح نہیں رہنے دے گی۔

3۔عاقل کا گمان جاہل کے یقین سے زیادہ صحیح ہوتا ہے۔

4۔محسن سے بدگمانی بدترین گناہ اور سب سے بڑا ظلم ہے۔

5۔جس کا لوگوں کے متعلق گمان اچھا ہوگا وہ ان سے بدلے میں محبت پائے گا۔

طمع

1۔جس نے طمع کو اپنا شعار بنایا وہ ذلت نفس پر آمادہ ہو گیا اور جو اپنی پریشانی کھل کر بیان کر دیتا ہے وہ اپنی ذات سے راضی ہو جاتا ہے۔

2۔عقلوں کی بربادی اکثر اوقات لالچوں کی بجلیوں کے تل ہوتی ہیں۔

3۔طمع ایسی جگہ ہے جہاں جانے کے بعد واپسی ممکن نہیں اور ایسی ضامن ہے جس میں وفا نہیں ہوتی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پانی پینے والا سیراب ہونے سے پہلے ہی اچھو کا شکار ہو جاتا ہے حصول کے لئے سعی کرتے وقت جس چیز کی قدر و منزلت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کے کھو جانے پر تکلیف ہوگی اور آرزوئیں آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہیں اور قسمت تو اس کی بھی ہے جو اس کے لئے بھاگ دوڑ نہیں کرتا۔

4۔ذلت و رسوائی اور بدبختی،طمع و حرص میں ہے۔

نفاق

1۔منافقین کی چند ایسی علامتیں ہیں جن کے ذریعہ وہ پہچانے جاتے ہیں۔ان کا سلام لعنت،خوراک تہمت اور ان کی غنیمت خیانت ہوتی ہے وہ مساجد کو صرف متروک گھر جانتے ہیں اور نماز کے لئے نہیں آتے ہیں مگر اس کے آخری وقت میں،تکبر کرتے ہیں کسی سے مانوس نہیں ہوتے ہیں اور نہ ان سے کوئی الفت پیدا کرتا ہے،رات کو لکڑی کی طرح سوتے ہیں اور دن میں شور و غل مچاتے ہیں۔

2۔لوگوں میں سب سے بڑا منافق وہ ہے جو لوگوں کو خدا کی اطاعت کا حکم دے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔اور لوگوں کو گناہ سے روکے مگر خود اس گناہ کا ارتکاب کرے۔

3۔نفاق ایمان کو فاسد کر دیتا ہے۔

4۔نفاق ذلت وخواری کے ستونوں میں سے ہے۔

5۔حکمت منافق کے دل میں ٹھہرتی ہی نہیں اور اگر کچھ دیر ٹھہر بھی جائے تو فوراً خارج ہوجاتی ہے۔

عداوت

1۔قیامت کے دن بدترین زادراہ بندوں پرظلم روا رکھنا ہے۔

2۔انسان کا اپنے دشمن سے انتقام کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی خوبیوں میں اضافہ کرے۔

3۔تمہارا دوست وہ ہے جو تمہیں (برائیوں سے) روکے اور تمہارا دشمن وہ ہے جو تمہیں فریب میں مبتلا رکھے۔

4۔جو اپنے دشمن سے غافل ہوجاتا ہے وہ اس کے مکروفریب کا شکار ہوجاتا ہے۔

5۔دشمنوں کو نیک کام اور اچھی باتوں کے ذریعے صلح پر آمادہ کرلینا، میدان جنگ میں سخت قتل وغارتگری کے ذریعہ ان پر فتح پانے سے زیادہ آسان ہے۔

خواہش نفس

1۔اپنی خواہشات سے عقل کے ذریعہ لڑو۔

2۔عقل کو نفس کی خواہش پر برتری عطا کی گئی ہے کیونکہ عقل زمانے کو تمہارے ہاتھوں میں سونپ دیتی ہے۔جبکہ نفسانی خواہشات تمہیں زمانے کا غلام بنادیتی ہیں۔

3۔انسان کا ایسا کام جس کے غلط ہونے کے بارے میں وہ علم رکھتا ہو ہوائے نفس ہے۔

4۔خواہش نفس انسان کو پست ترین لوگوں کی صف میں کھڑا کردیتی ہے۔

5۔نفس کو ہوا وہوس سے باز رکھنا ہی جہاد اکبر ہے۔

خودسری

1۔بہترین تعاون، مشاورت اور بدترین استعداد، خودسری ہے۔

2۔جو صرف اپنی رائے پر بھروسہ کرتا ہے وہ غلط راستوں پر چل پڑتا ہے۔

3۔عاقل پر لازم ہے کہ ہمیشہ مشورہ لیتا رہے تاکہ محض اپنی بات پر اڑے رہنے (کی عادت) سے باز رہے۔

بخل

1۔اے بیٹا: کنجوس کی دوستی سے بچو کیونکہ وہ تمہاری شدید حاجت کے وقت تم سے الگ (ہوکر) بیٹھ جائے گا۔

2۔عورتوں کی (کچھ) اچھی خصلتیں مردوں کے لئے بدترین صفات ہوتی ہیں (جیسے) تکبر، بزدلی اور بخل کیونکہ اگر عورت گھمنڈی ہوگی تو کسی (غیر) کے قابو میں نہیں آئے گی اور اگر بخیل ہوگی تو اپنی اور اپنے شوہر کی دولت کی حفاظت کرے گی اور اگر بزدل ہوگی تو ہر اس چیز سے بھاگے گی جس سے اسے (اور اس کی آبرو کو) نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوگا۔

3۔اگر تم بخل کو ایک آدمی شکل میں دیکھ سکتے ہو تو اسے ایسی مکروہ شکل میں دیکھتے کہ ہر آدمی آنکھ بند کرلیتا اور ہر دل اس سے نفرت کرتا۔

4۔دو خصلتیں کبھی مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔بداخلاقی اور بخل۔

بغاوت (سرکشی)

1۔جس نے بغاوت کی تلوار کھینچی وہ اسی سے قتل ہوگا۔

2۔ بلاشبہ بغاوت اور جھوٹ (ایسے صفات ہیں جو) انسان کو دین و دنیا دونوں میں ہلاک کردیتے ہیں اور عیب جوئی کرنے والوں کے سامنے اس کے عیوب کو ظاہر کردیتے ہیں۔

3۔ احکم الحاکمین سے بغاوت کرنے والوں کے لئے جہنم ہے۔

''حرص''

1۔ حرص کے ہوتے ہوئے حرام سے اجتناب نہیں ہوسکتا۔

2۔ ہر چیز کا ایک بیج ہوتا ہے اور برائی کا بیج حد درجہ لالچ ہے۔

3۔ حرص انسان کی تقدیر میں سے کچھ نہ کچھ گھٹا ہی دیتا ہے، وہ انسان کے نصیب میں کبھی بھی اضافہ نہیں کرسکتا۔

4۔ جس کے دل میں حب دنیا آگئی اس کا دل دنیا کی تین چیزوں کا خوگر ہوجائے گا، ایسا غم جو ہمیشہ رہے گا، کبھی نہ ختم ہونے والی لالچ اور ایسی آرزوئیں جو کبھی نہ پوری ہوسکیں گی۔

حسد

1۔ حسد سے ڈرتے رہو کیونکہ یہ نفس کو نقصان پہنچاتا ہے۔

2۔ جس طرح زنگ لوہے کو اس وقت تک کھاتا رہتا ہے جب تک کہ وہ فنا نہ ہوجائے اسی طرح حسد بھی دل کو اس وقت تک تباہ کرتا ہے جب تک کہ وہ اسے فنا نہ کردے۔

3۔ تین چیزیں تباہ کردینے والی ہیں، تکبر جس نے ابلیس کو اس کے مرتبہ سے گرادیا۔ حرص جس نے آدم کو جنت سے نکال دیا، حسد جس نے آدم کے بیٹے کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا۔

4۔ حسد جسم کو فنا کردیتا ہے۔

5۔ انسان کے ساتھ رہنے والی بدترین شے حسد ہے۔

کینہ

1۔ اپنے دلوں میں چھپی عصبیت اور جاہلیت کے کینوں کی آگ، بجھا ڈالو کیونکہ یہ وہی حمیت (جذبہ) ہے جو مسلمان کے اندر شیطانی وسواس، ترغیبات، تلقینات اور نخوت وفساد سے پیدا ہوتا ہے۔

2۔ کینہ، لاعلاج بیماری اور وبائی مرض ہے۔

3۔ کینہ پرور کا نفس ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے اور اس کا غم بڑھتا ہی رہتا ہے۔

4۔ فتنوں کا سبب کینہ ہے۔

5۔ جو کینے کو (اپنے دل سے) نکال پھینکے گا اس کا دل و دماغ مطمئن ہوجائے گا۔

نافرمانی

1۔ خلوتوں میں اللہ کی نافرمانیوں سے ڈرو کیونکہ جو (ان خلوتوں میں تمہارا) شاہد ہے وہی فیصلہ بھی کرنے والا ہے۔

2۔ اللہ صرف اپنی نافرمانی کرنے والوں کو ذلیل کرتا ہے۔

3۔ تعجب ہے جو دعا کرتا ہے اور پھر قبولیت میں دیر ہونے کا شکوہ کرتا ہے جبکہ اس نے قبولیت کا دروازہ نافرمانیوں کے ذریعے بند کررکھا ہے۔

4۔ آپ سے پوچھا گیا ''کون سا دوست آپ کے نزدیک سب سے زیادہ برا ہے۔'' تو آپ نے فرمایا: ''تمہارے لئے اللہ کی نافرمانی کو سنوار کر پیش کرنے والا۔''

5۔نافرمانی سے بدبختی وجود میں آتی ہے۔

موت

1۔ جوشخص دنیا چاہتا ہے اسے موت ڈھونڈتی ہے تا کہ اسے دنیا سے نکال باہر کردے اور جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیاڈھونڈتی ہے تا کہ اس کی روزی اس تک پہنچادے۔

2۔جوشخص موت کا انتظار کرتا ہے وہ نیک کاموں میں عجلت کرے گا۔

3۔مومن کے لئے بہترین موت ہے۔

4۔ نیک لوگوں کی موت خوان کے لئے راحت وآسائش ہوتی ہے اور بدکردار لوگوں کی موت دنیاوالوں کے لئے آسائش ہوتی ہے۔

5۔موت تمہارے سایہ سے زیادہ تم سے نزدیک اور تم سے زیادہ تمہاری مالک ہے۔

پڑوس

1۔ کتنا بدتر ہے وہ مالدار پڑوسی جو تمہیں کسی کام کی ترغیب تو کرے مگر اس سلسلے میں تمہاری کوئی مدد نہ کرے۔

2۔ اپنے میتوں کو برے پڑوس کے پاس دفن کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ صالح ہمسایہ آخرت میں بھی اسی طرح فائدہ پہنچاتا ہے جس طرح دنیا میں فائدہ پہنچا تا ہے۔

3۔ چار چیزیں بدبختی ہیں، برا پڑوسی، بری اولاد، بری عورت اور تنگ گھر۔

غبن،ضرر

1۔اچھے اور نیک کاموں میں کوتاہی کرنا جبکہ ان پر ثواب کے حصول کا تمہیں

اطمینان ہو، خودفریبی اور ضرر ہے۔

2۔مغبون وہ ہے جو دنیا میں اس طرح مشغول ہوجائے کہ آخرت کا حصہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔

3۔جوشخص خود سے راضی ہوگا وہ گھاٹے میں ہے اور جو اپنے نفس پر مکمل اطمینان رکھتا ہو وہ مغرور ہے اور آزمائش میں ہے۔

دنیا

1۔ جو دنیا کو چاہے گا موت اسے اس وقت تک ڈھونڈتی رہے گی جب تک اسے اس دنیا سے نکال نہ لے جائے اور جو آخرت کا طلبگار ہوگا تو دنیا اس کی طالب رہے گی یہاں تک کہ وہ اپنی روزی اسی دنیا سے حاصل کرلیا کرے گا۔

2۔دو بھوکے کبھی سیر نہیں ہوتے، طالب دنیا اور طالب علم۔

3۔ دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے جس کا لمس نرم ہے مگر وہ خطرناک زہر اپنے اندر لئے ہوئے ہے اس سے فریب خوردہ وجاہل آدمی ہی محبت کرتا ہے اور عقل مند وہوشیار شخص اس سے بچتا اور ڈرتا رہتا ہے۔

4۔ دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت اسے ترک کردینے والا ہے اور آخرت میں سب سے زیادہ کامیاب وہ ہے جو اس کے لئے عمل کرتا (رہا) ہو۔

5۔جس طرح سورج اور رات اکٹھا نہیں ہوسکتے اسی طرح اللہ کی محبت اور حب دنیا بھی یکجا نہیں ہوسکتی۔

6 دنیا مومن کا قید خانہ، موت اس کا تحفہ اور جنت اس کی جائے گاہ ہے۔

قتل

1۔ جو بغاوت کی تلوار کھینچتا ہے وہ اسی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔

2۔ بلاشبہ سب سے باعزت موت، قتل ہے اور قسم ہے اس کی کہ جس کے ہاتھ میں ابوطالب کے بیٹے کی جان ہے میرے نزدیک تلوار کی ہزار ضربتیں اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر بستر پر مرجانے کے مقابل زیادہ آسان ہیں۔

3۔ خوش بختی ہے اس کے لئے جسے غرور کی قاتلاؤں نے قتل نہ کیا۔

انتقام

1۔ رشتہ داروں سے الگ ہو کر رہنا بلاؤوں میں گرفتار ہونے کا سبب ہے۔

2۔ انتقام میں جلد بازی لئیموں کا شیوہ ہے۔

3۔ قدرت مند کا بدترین عمل انتقام ہے۔

4۔ نعمتوں کی مستی (میں ڈوبے رہنے) سے بچے رہو اور بلاؤوں کی سختی سے ڈرو۔

5۔ صلہ رحم نعمت کے نزول اور سزاؤں کو دفع کرنے کا باعث ہوتا ہے۔

تہمت

1۔ اپنی عقلوں کو (غلطی سے) متہم کرو کیونکہ (حد درجہ) اطمینان اور بھروسہ ہی خطاؤں کا سبب ہوتا ہے۔

2۔ جو بری جگہوں پر جائے گا وہ متہم ہو جائے گا۔

3۔ جس نے تم سے اپنا راز محفوظ رکھا اس نے گویا تم پر (اپنا راز افشا کر دینے کا) الزام رکھا۔

4۔ جس نے خود اپنے آپ کو برا بھلا کہا وہ شیطان کے دھوکے سے بچا رہے گا۔

شر و برائی

1۔ برائی میں تاخیر کرو اس لئے کہ اس میں جب بھی تم چاہو جلدی کر سکتے ہو۔

2۔ ادب کا فقدان تمام برائیوں کا سبب ہے۔

3۔ شر کے نتیجے میں پیدا ہونے والی عادتیں جھوٹ، کنجوسی، ظلم اور جہالت ہیں۔

4۔ جو چھپی ہوئی برائی کی آگ کو بھڑکائے گا تو اس کی ہلاکت بھی اسی کے ذریعے ہوگی۔

5۔ برے لوگوں میں سب سے زیادہ برا وہ ہے جو برائی پر فخر کرتا ہو۔

شرف

1۔ علم جیسا کوئی شرف نہیں۔

2۔ سلام سے برتر کوئی شرف نہیں۔

3۔ شریف ناحق قتل ہو جاتا ہے اور اس کے لئے اسے حق سے زیادہ اجر ملتا ہے۔

4۔ شرف عقل و ادب کی وجہ سے ملتا ہے نہ کہ حسب نسب کی وجہ سے۔

5۔ شریف کی زینت تواضع ہے۔

6۔ آپ سے پوچھا گیا کون شریف ہے؟'' تو آپ نے جواب دیا: جو کمزور سے انصاف کرے۔''

دنیا کے زوال اور فنا کے سلسلے میں

(امیر المومنین علی علیہ السلام کے ارشادات)

دنیا دامن سمیٹ رہی ہے اور اس نے اپنے رخصت ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔

اسکی جانی پہچانی ہوئی چیزیں اجنبی ہوگئیں اور وہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹ رہی ہے اور اپنے رہنے والوں کو فنا کی طرف بڑھا رہی ہے اور اپنے پڑوس میں بسنے والوں کو موت کی طرف دھکیل رہی ہے۔ اس کے شیریں (مزے) تلخ اور صاف وشفاف (لمحے) مکدر ہو گئے ہیں۔ دنیا سے بس اتنا باقی رہ گیا ہے جتنا برتن میں تھوڑا سا بچا بچایا پانی یا نپا تلا ہوا جرعۂ آب کہ پیاسا اگر اسے پئے تو اُس کی پیاس نہ بجھے۔ خدا کے بندو! اس دارِ دنیا سے جس کے رہنے والوں کیلئے زوال امرِ مسلم ہے نکلنے کا تہیہ کرلو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آرزوئیں تم پر غالب آجائیں اور اس (چندروزہ زندگی) کی مدت کو دراز سمجھ بیٹھو۔ اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو اور موت سے پہلے اپنے اعمال کا ذخیرہ فراہم کرلو اور دُنیا کی فانی چیزیں دے کر باقی رہنے والی چیزیں خرید لو۔ چلنے کا سامان کرو کیونکہ تمہیں تیزی سے لے جایا جا رہا ہے اور موت کے لئے آمادہ ہوجاؤ کیونکہ وہ تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ تمہیں ایسے لوگ ہونا چاہیے۔ جنہیں پکارا گیا تو وہ جاگ اُٹھے۔ اور یہ جان لینے پر کہ دنیا ان کا گھر نہیں ہے۔ اسے (آخرت سے) بدل لیا ہو۔ اس لئے کہ اللہ نے تمہیں بے کار پیدا نہیں کیا اور نہ اس نے تمہیں بے قید و بند چھوڑ دیا ہے۔ موت تمہاری راہ میں حائل ہے۔ اس کے آتے ہی تمہارے لئے جنت ہے یا دوزخ ہے۔ وہ مدتِ حیات جسے ہر گزرنے والا لحظہ کم کر رہا ہو اور ہر ساعت اس کی عمارت کو ڈھا رہی ہو کم ہی سمجھی جانے کے لائق ہے اور وہ مسافر جسے ہر نیا دن اور ہر نئی رات (لگاتار) کھینچے لئے جا رہے ہیں۔ اُس کا منزل تک پہنچنا جلد ہی سمجھنا چاہیے اور وہ عازمِ سفر، جس کے سامنے ہمیشہ کی کامرانی یا ناکامی کا سوال ہے اس کو اچھے سے اچھا زادِ مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس دنیا میں رہتے ہوئے اس سے اتنا توشۂ آخرت لے لو، جس کے ذریعہ کل اپنے نفسوں کو بچا سکو۔

❀❀❀❀❀